

جامعہ حقانیہ کاترجمان

# الافتاء

سائہ سوال  
سرگودھا

بانی

فقہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رندھی قدس سرہ

سائہ سوال ۔ سرگودھا

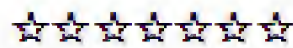
۰۴۸-۶۷۶۰۰۲/۶۷۶۸۹۹

جامعہ حقانیہ



## جمادی الثانیہ ۱۴۴۷ھ جولائی ۲۰۰۶ء فہرست

3	تحفظاً موس رسالت ﷺ..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
5	درس قرآن کریم..... " " "
7	درس حدیث..... شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ مظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
9	ماتوفیات حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ
11	گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا..... فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
18	اسلامی سزائیں..... مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی
28	عقیدہ حیات النبی ﷺ اور حضرت عزیر علیہ السلام..... مولانا ابوالاحمد نور محمد قادری تونسوی
31	اسم محمد ﷺ علم فناء کس و مناقب اور خصوصیات..... مولوی عابد محمود حقانی
35	امام عظیم رحمۃ اللہ کی امام باقر رحمۃ اللہ سے ملاقات..... مولانا محمد عارف لاہوری
36	محترمہ مشفقہ آبا جان رحمۃ اللہ تعالیٰ..... محترم جناب سید شمشاد حسین صاحب
40	مینارۂ نور..... سید عبدالناصر ترمذی
41	خوشگوار رگزیلو زندگی..... قاری محمد زکریا زکی سیالکوٹ
43	مولانا قاری جمیل الرحمن صدیقی مرحوم..... مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
46	الاستفتاء..... فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
47	اخبار الجامعہ..... سید عبدالناصر ترمذی
48	تعارف و تہمرہ..... مولوی عابد محمود حقانی



خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ماہیوال سرگودھا

فون: 046-6786002/6786899

E-mail: alhaqqania@yahoo.com

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فاکٹر پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

اور امت مسلمہ کی ذمہ داری

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، تقدس اور حرمت و تعظیم ایک ایسا مسلمہ عقیدہ ہے جس میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہو سکتا، امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر ہمیشہ اس عقیدہ پر متفق رہے ہیں۔ قرآن و سنت، اجماع امت کی روشنی میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات میں سب سے افضل، مقدس اور عظیم ہیں اور تمام کائنات سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنا مومن ہونے کیلئے ضروری ہے۔

جہاں تک ناموس رسالت کے تحفظ کا معاملہ ہے تو اس میں بھی مسلمانوں کے مابین دورائے نہیں پائی جاتیں، سب کے سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ آپ کے ناموس کا تحفظ ان کے ایمان کا تقاضا ہے، کوئی بھی مسلمان چاہے وہ کتنا ہی مقدس اور دیندار ہو اس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں سمجھتا جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس و عزت کیلئے جان، مال اور عزت کی بازی نہ لگا دے اور ہر ایک کے دل کا جذبہ یہی ہے۔

نہ جب تک مرثوں میں خواجہ شرب کی حرمت پر

خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ حرمت رسول اور اس کے تقدس کیلئے انہوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، ان کے متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سب کچھ قربان کر کے اس شعر کی عملی شہادت پیش کر دی۔

لعرض محمد منك الوقاء

فان ابی ووالدتی وعرضی

ناموس رسالت کے تحفظ کا مسئلہ ہر دور میں ہی اہم رہا ہے لیکن حال میں ڈنمارک اور دیگر یورپین ممالک نے توہین آمیز خاکے شائع کر کے جہاں دنیا میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کیا وہیں ایک مرتبہ پھر ناموس رسالت کے تحفظ کی اہمیت کو اجاگر کر دیا ہے، پوری دنیا میں اس ذلیل حرکت پر جس قدر احتجاج ہوا وہ اس کی واضح دلیل ہے کہ مسلمان اس مسئلہ میں کس قدر حساس ہیں اور عظیم تاریخی جملہ ما بقاء الامة بعد شتم نبیہا کی صداقت پر کس قدر یقین رکھتے ہیں۔ تمام مسلمان اور حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھیں اور باہم متحد ہو کر کفر کی یلغار کے سامنے بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہو جائیں، اگر اب ایسا نہ ہوا تو پھر مسلمانوں کیلئے اپنے وجود کا منوانا اور دنیا میں رہنا مشکل ہو جائے گا، اب بھی اگر وہ متفق و متحد نہ ہوئے تو پھر کب بیدار ہوں گے؟

حرمت رسول کے تحفظ کیلئے وقت کے اہم تقاضا کو اگر نظر انداز کر دیا گیا تو پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اگر اب بھی امت مسلمہ اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں نے اس میں کوتاہی کی تو پھر ”تمہاری داستانیں تک نہ ہوں گی داستانوں میں“ والا معاملہ ہوگا۔

لہذا تمام ممالک اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ عالمی سطح پر یہ قانون پاس کرانیں کہ جو بد بخت بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور پیغمبر اسلام سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و گستاخی کا مرتکب ہو اس کی سزا قتل ہے تاکہ آئندہ کسی کو بھی اس کی جرأت نہ ہو اور آزادی صحافت کے نام پر بھی کوئی شخص اس کی جسارت نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں دنیا میں قیام امن کیلئے بھی ضروری ہے کہ اہل مذاہب ایک دوسرے کا احترام کریں۔

امت مسلمہ کا یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے عالمی طور پر قانون سازی تمام حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ



## درس قرآن کریم

سورة الفاتحة مکیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ ملک يوم الدين ۝ اياك نعبد و اياك نستعين ۝ اهدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیهم ۝ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین ۝

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مہربانی میں ہر عالم کے، جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں، جو مالک ہیں روز جزا کے، ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں، بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا، راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا، نہ کہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے (بیان القرآن)

سورة الفاتحة کی فضیلت اور جامعیت

قرآن مجید کی پہلی سورت الفاتحہ ہے، یہ سات آیات، پچیس الفاظ اور ایک سو پچیس حروف پر مشتمل ہے، بعض روایات میں آتا ہے لباب القرآن المجامیم السبعة یعنی پورے قرآن کریم کا خلاصہ ان سات سورتوں میں ہے جن کی ابتداء حتم سے ہوتی ہے اور پھر ان سات سورتوں کا خلاصہ صرف ایک سورة الفاتحہ میں ہے اور اس تمام سورت کا نچوڑ اس کی ایک آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین میں ہے۔

بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے سورة الفاتحة اعظم سورة فی القرآن یعنی قرآن پاک میں سب سے اعظم، بہتر اور افضل سورت یہی سورة الفاتحہ ہے (معالم العرفان) سورة الفاتحہ کے مضامین

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سورة الفاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، اب ہم اس سورت کے مضامین کا خلاصہ لکھ رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

اس سورت کی پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور آخری تین آیتوں میں انسان کی طرف سے دعا اور درخواست کا مضمون ہے جو رب العزت نے اپنی رحمت سے خود ہی انسان کو سکھایا ہے اور درمیان میں ایک آیت میں دونوں چیزیں مشترک ہیں یعنی کچھ حمد و ثنا کا پہلو ہے اور کچھ دعا و درخواست کا۔

### حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے کہ نماز (یعنی سورۃ الفاتحہ) میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے، نصف میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے اسے دیا جائے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ کہتا ہے اللھم صلّ علی محمد وعلیٰ آل محمد تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی، اور جب وہ کہتا ہے اللھم ارحم الراحمین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف و ثنائیاں کی، اور جب بندہ کہتا ہے فاعلک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور جب بندہ کہتا ہے اے اللہ! تمہارا بندہ و اہلک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے کہ اس میں ایک پہلو حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کا ہے اور دوسرا پہلو بندے کی دعا و درخواست کا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ میرے بندے کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی۔

پھر جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم (آخر تک) تو حضرت حق فرماتے ہیں کہ سب میرے بندے کیلئے ہے اور اس کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی (مظہری)

(معارف القرآن ص ۷۹)



## درس حدیث

رحمۃ (لغوی) ترجمہ بہجۃ (لغوی)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الازدی اللہ سی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

مجاہدہ نفس کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے

(۱۱) حدیث میں صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تخلیہ (یعنی کامیابی اور وصول الی اللہ) (بالحاء المہملہ) تخلیہ (مجاہدہ نفس) (بالحاء المعجمہ) کے بعد ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً تخلیہ (اور مجاہدہ) اختیار فرمایا یہاں تک کہ آپ کی کوشش اور طاقت ختم ہو گئی، پھر چونکہ آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل و اشرف تھا اور انسان اس (درجہ) کے مناسب تخلیہ سے عاجز ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے (بینہ) سے چٹا (کردیا) یہاں تک کہ آپ کو اس تخلیہ کے لائق تخلیہ حاصل ہو گیا (جو آپ کو عطا ہونے والا تھا) اسی واسطے آپ فرماتے ہیں حتی بلغ منی الجہد (کہ فرشتہ نے مجھ کو اتنا دبا یا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی) غرض جبریل کا آپ کو دبا نا تخلیہ (کی تکمیل) ہی (کیلئے) تھا یہاں تک کہ آپ مجاہدہ نفس کے انتہائی مقام پر پہنچ گئے اور وحی کا آپ کی طرف القاء ہونا یہ تخلیہ تھا (اور چونکہ آپ کی وحی دوسروں کی وحی سے افضل ہے جس کی دلیل قرآن کا اعجاز اور قیامت تک اس کا محفوظ رہنا ہے تو آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل و اکمل و اشرف ہے) اور یہ اس بات کی دلیل ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ جو شخص طریق (باطن) میں تربیت اور ترقی کے ساتھ داخل ہوا ہو وہ اس شخص سے افضل ہے جو دوسرے طریقوں سے داخل ہوا کیونکہ یہ سب معاملات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے تربیت اور ترقی ہی کے طور پر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اسی وقت ترقی فرماتے تھے جبکہ پہلے مقام کے ادب کو مستحکم فرما لیتے اور اس کی حقیقت کو (اچھی طرح) سمجھ لیتے، اور جن فوائد پر وہ مشتمل ہے اس سے بخوبی واقف ہو جاتے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اسی شخص سے زیادہ نفع پہنچا ہے جس نے تربیت کے طریقہ پر کمال حاصل کیا اور جو شخص اس طریقہ کے سوا کسی اور طریق سے چلا ہو اس سے بہت کم لوگوں کو فائدہ ہوا (الترجمہ الثانی والثلاثون فیہ دلائل لاهل الصوفیۃ حیث یقولون

ان التخلی لا یكون الا بعد التخلی الی قوله وفی من یتنفع علی من یکون دخوله بغير ذلك) **ترجمہ:** تخلیہ اور تخلیہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ ہیں، تخلیہ مجاہدہ نفس کو کہتے ہیں اور تخلیہ مشاہدہ اور حصول مقامات کو، پھر طریق باطن میں داخل ہونے والوں کی تین قسمیں ہیں بعضے اولاً مجاہدہ کرتے ہیں پھر مشاہدہ سے کامیاب ہوتے ہیں یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے مشابہ ہے اور چشتیہ کا طریقہ یہی ہے، بعض لوگ اولاً مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر مجاہدہ کرتے ہیں یہ طریقہ نقشبندیہ کا ہے اور بعضے تخلیہ و تخلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور آجکل کے محققین طریق کا دستور العمل یہی ہے جس کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ آجکل لوگوں کی عمریں کم ہیں اور افکار و اشتغال زیادہ ہیں تخلیہ و تخلیہ کی الگ الگ تکمیل کا ان کو وقت نہیں ملتا، اور مقصود تمام طرق سے حاصل ہو جاتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ چشتیہ کا اصلی طریقہ سنت نبویہ کے زیادہ موافق ہے، ۱۲۔

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک کسی ایک و بھی

(۱۲) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تخلیہ (یعنی مجاہدہ) کی دو قسمیں ہیں ایک کسی (اختیاری) دوسرے وہ جو اللہ سبحانہ کی طرف سے (بلا اختیار و عہد) فائز ہو، تخلیہ کسبہ تو جیسا اوپر گذر چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں خلوت و عبادت اختیار کی اور تخلیہ وہیہ وہ ہے جس کے متعلق اس وقت گفتگو ہو رہی ہے یعنی (جبریل علیہ السلام کا آپ کو) سینہ سے لگانا اور دہانا۔ پھر سالکین میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا تخلیہ کسی ہی ہوتا ہے وہی نہیں ہوتا اور بعض وہ ہیں جن کا تخلیہ صرف وہی ہوتا ہے کسی نہیں ہوتا جیسے ابراہیم بن ادہم اور فضیل بن عیاض وغیرہما اور بعضوں کیلئے دونوں قسم کا تخلیہ جمع ہو جاتا ہے وہ اپنے اختیار سے بھی مجاہدہ کرتے ہیں اور غیب سے بھی ان پر مجاہدہ فائز ہوتا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (معاملہ) کیا گیا اور ایسے بہت ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں (الترجہ الرابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان التخلی علی ضربین مکسب و فیض من اللہ سبحانہ الی قوله وهو فضل اللہ یرتبه من یشاء)

**ترجمہ:** خلاصہ یہ کہ مجاہدہ اس طریق میں لازم ہے بدوں اس کے کامیابی نہیں ہوتی خواہ مجاہدہ با اختیار خود کیا جائے یا غیب سے فائز ہو یا دونوں طریقے جمع ہو جائیں، پس اگر کسی کو بدوں مجاہدہ کے کامیاب دیکھا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس پر غیب سے مجاہدہ فائز ہوا ہے۔



## ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

جہاں فرمایا حافظ صاحب نے کیوتر بھی پال رکھے تھے مگر اڑاتے نہ تھے، کیوتر بازوؤں کی عادت ہے کہ وہ دوسروں کے کیوتر پکڑ لیا کرتے ہیں کسی نے حافظ صاحب کا کیوتر بھی پکڑ لیا، آپ خود ڈھونڈنے نکلے، معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے پکڑا ہے دوپہر کو اس کے گھر گئے اور پکارا، وہ گھبرا کر باہر آیا، فرمایا ہمارا کیوتر تم نے پکڑا ہے، ہمیں دکھا دو ہمارا ہوگا تو لے لیں گے نہیں تو خیر، آج اگر مرضی کا بچہ بھی کوئی ڈھونڈنے نکلے تو لوگ طعن کرتے ہیں جیسے انبیاء پر کفار کیا کرتے تھے، کو یا وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بشر نہ ہوں، یہ نہیں چاہتے کہ بشر نہ ہوں۔ خوارق حضرت حافظ صاحب سے بہت صادر ہوئے ہیں مگر مرید کرنے کے بارہ میں بہت سخت تھے، کل عمر بھر میں ۷ یا ۸ مرید ہوئے، بس مال دیتے تھے۔

جہاں فرمایا ایک شخص حافظ صاحب کے پاس بہت زیادہ آیا کرتا تھا، فرمایا میاں زیادہ نہ آیا کرو تمہاری جو روڑے لگی، اس نے کہا ایسی تپسی ایسی جو روکی، اتفاق سے وہ کئی روز تک نہ آیا، ایک بار حضرت حافظ صاحب مسجد کے دروازہ پر کھڑے تھے کہ وہ شخص سامنے نظر پڑا، حضرت بنسے فرمایا کہ کیا ہوا؟ کہا حضرت بیوی بہت لڑی کہ نہ کھانے کا نہ کمانے کا یونہی پڑا رہتا ہے، تو آپ بہت بنسے۔

جہاں فرمایا جب میں حضرت گنگوہی کے یہاں حاضر ہوتا تو حضرت حاجی صاحب کا خوب انبساط کے ساتھ ذکر فرماتے، وجہ یہ کہ اور حضرات تو حضرت حاجی صاحب کے بواسطہ خادم تھے اور خود حضرت کو دیکھتا تھا اس لئے اوروں کے سامنے طبیعت کھلتی نہ تھی، اسی پر ایک بار فرمایا جب تم آ جاتے ہو تو دل زندہ ہو جاتا ہے۔

جہاں ایک خط کی بہت سی بد تمیزیوں کو بیان فرما کے فرمایا کس کس جزئی کی اصلاح کروں

ع تن ہمہ داغ داغ شد پندہ کجا کجا نمہم

جہاں ایک شخص نے لکھا کہ مجھے انوار معلوم ہوتے ہیں کیا یہ میرا وہم تو نہیں ہے؟ جواب ارقام فرمایا کہ وہم ہی سمجھو، پھر فرمایا کہ میں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ وہم ہیں بلکہ یہ لکھا ہے کہ تم ایسا سمجھو اور ان کی

طرف التفات نہ کرو، یہ انوار کبھی تو شخص خیالی ہوتے ہیں اور کبھی ناسوتی اور کبھی ملکوتی مگر ہیں سب حجاب، ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے کیونکہ یہ عجیب ہوتے ہیں، ان کی طرف التفات زیادہ ہوتا ہے اور گمان اقرب کا بھی ہو جاتا ہے اور انہیں مقاصد میں سے سمجھنے لگتے ہیں، حضرت کی تو تعلیم یہ تھی کہ جو کچھ بھی ہوا اللہ میں لا کے تحت میں لا کر لینی کر دو۔

جہ فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب کو دیکھا ہے کہ درس میں جب کسی مقام میں تقریر فرمائی اور طالب علم نے کوئی شبہ کیا تو اول تو ذرا غور فرماتے پھر فوراً ان لفظوں کے ساتھ قبول فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی، پھر دو چار سیکنڈ بعد فرماتے مجھ سے غلطی ہوئی، پھر تین چار سیکنڈ بعد فرماتے واقعی مجھ سے غلطی ہوئی تا کہ کوئی شخص اس کو ذرا ضعیف پر محمول نہ کرے، اور اگر کسی غامض مقام پر شرح صدر نہ ہو تو کتاب اٹھا کر کسی ماتحت<sup>(۱)</sup> مدرس کے پاس حلقہ درس میں تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ مولانا! ذرا اس کو ملاحظہ فرمائیے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا اور شاگردوں کی جگہ بیٹھ جاتے تھے، وہ حضرات بھی مزاج سے واقف تھے اٹھتے نہ تھے، تمام شاگردوں کے سامنے ہی دریافت فرماتے تھے اور آ کر فرماتے کہ مجھے شرح صدر نہیں ہوا تھا میں نے فلاں صاحب سے پوچھا ہے انہوں نے اس مقام کی یہ تقریر فرمائی ہے، سبحان اللہ۔

جہ فرمایا ایک دفعہ مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب کی گفتگو خلوت میں ہو رہی تھی مگر آوازیں بلند ہو گئیں تو باہر کے لوگوں نے بھی سنا، مولانا محمد قاسم صاحب فرما رہے تھے مولوی صاحب یوں تو حق تعالیٰ نے مجھے بھی بہت چیزیں دے رکھی ہیں مگر ایک چیز آپ کو ایسی دی ہے جس پر مجھے رشک آتا ہے یعنی فقہ، حق تعالیٰ نے آپ کو فقہ دے رکھا ہے، مولانا گنگوہی نے فرمایا جی ہاں مجھے دو چار جزئیے یاد ہو گئے تو آپ رشک کرنے لگے اور خود جو مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہمیں کبھی رشک نہ ہوا۔

جہ فرمایا مولانا گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب کا ایک مسئلہ میں اختلاف تھا، مجھے معلوم نہ تھا میں نے بھی اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا اور مولانا گنگوہی کی خدمت میں پیش کیا، مولانا نے موافقت نہیں فرمائی، میں نے اتفاق سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا رسالہ دیکھا تو عرض کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کی رائے بھی یہی تھی، فرمایا ان سے غلطی ہوئی ہے، جس وقت یہ رسالہ لکھا تھا میں نے ان کو اسی وقت وفات سے پہلے مطلع کر دیا تھا۔

(۱) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس تھے اس لئے اور سب ماتحت ہی تھے اہ جامع۔



## گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (قسط ۵)

### حدیث نبوی اور قتل مرتد

قرآن کریم کے فیصلہ کے علاوہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرتد کی سزا قتل ثابت ہے، اس مسئلہ کے ثبوت میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض ایسی احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جو کتب صحاح احادیث کی درسی کتابوں میں موجود ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من بعدل دینہ فاقتلہ (بخاری شریف ص ۱۰۲۳، ابن ماجہ ۱۸۵) جو شخص اپنے دین (اسلام) کو بدلے اس کو قتل کر ڈالو۔  
(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے والی تھے، ایک مرتبہ ان کے پاس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد قید کر کے لایا گیا ہے جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا پھر یہودی ہو گیا تھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا بیٹھ جائیے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فماریہ فقتل (بخاری شریف ص ۱۰۲۳، ج ۲) میں نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے، اللہ اور رسول کا فیصلہ یہی ہے، یہ تین مرتبہ فرمایا اس کے بعد قتل کا حکم دے دیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق حکم فرمایا ایسمما لقیتموہم فاقتلوہم فان فی قتلہم اجرا لمن قتلہم یوم القیمة (بخاری ص ۱۰۲۳، مسلم) ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لئے کہ ان کے قتل کرنے میں قیامت کے دن ثواب ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا قتل ہرگز حلال نہیں مگر تین شخصوں کو قتل کیا جائے گا النفس بالنفس والشیب الزانی والعماری المدینہ اللہ یرک لہم اعدا (بخاری ص ۱۰۱۶، مسلم) جان کے بدلے جس کی جان لی جائے اور بیاہونے کے باوجود زنا کرنے والا اور اپنے دین اسلام اور جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا۔

واضح رہے کہ الشَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ کا جملہ الممارِقِ لِدَیْدِهِ کی تفسیر ہے، مستقل الگ چوتھی جماعت نہیں ہے تا کہ یہ شبہ لازم آئے کہ جن شخصوں کو قتل کیا جاتا ہے ان کی تعداد تین کی بجائے چار ہو گئی۔

(۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس سے تین کاموں میں سے کوئی کام سرزد نہ ہو، وہ تین کام یہ ہیں زانی بعد احصان و کفر بعد اسلام و قتل نفسا بغیر نفس (نسائی ص ۱۶۵ ہرندی، ابن ماجہ ص ۱۸۵) بیاہ ہونے کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر ہونا، کسی شخص کو بغیر حق کے قتل کرنا۔

(۶) اِذَا بَقِيَ الْمَعْبُودُ لِلّٰی الشِّرْكَ فَقَدْ حَلَّ دَمُهُ (ابوداؤد عن جریر ص ۲۲۲ ج ۲) جب کوئی اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف بھاگے تو اس کا خون حلال ہے۔

(۷) مَنْ جَمَعَ دَايَةَ مَنْ الْفَقْرَانِ فَقَدْ حَلَّ ضَرْبَ عُنْفِهِ (ابن ماجہ عن ابن عباس ص ۱۸۵) جو شخص قرآن کی کسی آیت کا انکار کرے اس کی گردن اڑا دینا حلال ہو گیا۔

(۸) مَنْ غَيَّرَ دِيْنَهُ فَاَضْرَبُوا عُنْفَهُ (بخاری و مسلم عن زید بن ارقم ؓ)

(۹) قبیلہ عربیہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرایا جس کا قصہ اکثر کتب حدیث بخاری وغیرہ میں موجود ہے (بخاری ص ۱۰۰۵)

(۱۰) ابوداؤد میں ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری ؓ سے منقول ہے جس کا مضمون حضرت علی ؓ کی منقولہ بالاحدیث کے موافق ہے۔

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی مضمون کی کئی حدیثیں مروی ہیں (نسائی ص ۱۶۵ ج ۲ وغیرہ)

خلفاء راشدین ؓ اور قتل مرتد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صدیق اکبر ؓ مسلمانہ کذاب کی طرف متوجہ ہوئے جو نبوت کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق سے مرتد قرار دیا گیا تھا، اسی طرح اس کے تبعین پر بھی حکم ارشاد لگایا گیا اور ان سب کے خلاف ایک لشکر حضرت خالد بن ولید ؓ کی سرکردگی میں اس کی طرف روانہ کیا جس نے مسلمانہ کذاب اور اس کے بہت سے تبعین کو موت کے گھاٹ اتار دیا (فتح الباری)



آپ کے عہد خلافت میں بحرین، عمان وغیرہ میں بھی بعض لوگوں کے مرتد ہونے پر علماء ابن الحضرمی، عکرمہ بن ابی جہل، زیاد بن لبید انصاریؓ وغیرہ کو بھی ان کے قتل کیلئے بھیجا گیا تھا۔  
خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ

(۱) مذکورہ صدر تمام فیصلوں اور واقعات میں فاروق اعظمؓ بھی صدیق اکبرؓ کے ساتھ اور شریک مشورہ تھے۔

(۲) فاروق اعظمؓ نے چند مرتدین کے متعلق فرمایا کہ ان کو تین روز تک اسلام کی طرف بلانا چاہئے، اگر تین روز کے بعد بھی توبہ نہ کریں تو قتل کر دیا جائے (شفاء قاضی عیاض)  
خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ

(۱) جو احادیث اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں گزر چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ قتل مرتد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھتے تھے اور لوگوں سے اس کی تصدیق کراتے تھے۔

(۲) کنز العمال میں بحوالہ نبی نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں من کفر بعد ایمانہ طوائفہ فائہ یقتل (ص ۹۷ ج ۱) جو شخص ایمان کے بعد اپنی خوشی سے کافر ہو جائے اس کو قتل کیا جائے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتد اہل عراق کی ایک جماعت کو گرفتار کیا اور ان کے متعلق مشورہ کیلئے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں خط بھیجا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا  
اعرض علیہم دین الحق فان قبلوا خل سبیلہم وان لم یقبلوا فاقتلہم (من الكنز) ان پر دین حق پیش کرو اگر قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو ورنہ قتل کر دو۔

حضرت عثمانؓ کا دائمی طرز عمل بھی تھا کہ مرتد کو تین مرتبہ توبہ کرنے کیلئے فرماتے تھے اگر قبول نہ کرنا تو قتل کر دیتے تھے (کنز العمال ص ۹۷ ج ۱)

خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بعض مرتدین کو جلا دیا تھا (ص ۲۳۰ ج ۲)

(۲) حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے بنی ناجیہ کی طرف لشکر

بھیجا تو اس میں میں بھی شریک تھا، ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں میں بعض لوگ وہ تھے کہ پہلے نصرانییت چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور پھر نصرانییت کی طرف لوٹ گئے (یعنی مرتد ہو گئے) ہمارے امیر نے ان سے کہا کہ اپنے خیال سے توبہ کرو اور پھر مسلمان ہو جاؤ، انہوں نے انکار کیا تو امیر نے ہمیں حکم دیا، ہم سب ان پر ٹوٹ پڑے اور مردوں کو قتل اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

مرتدین کے بارہ میں یہ ان خلفاء راشدین کے طرز عمل کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جن کے اقتداء کیلئے تمام امت اسلامیہ کو حکم دیا گیا ہے اور جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين** تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کی اقتداء کرو (مشکوٰۃ شریف) اور یہ تمام واقعات وہ ہیں جو اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ الفضل الناس بعد الانبیاء کے حکم اور دوسرے خلفائے راشدین کے دور میں پیش آنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ان کا ظہور ہوا، خلفاء راشدین کے دور کے ان واقعات سے ایک طرف تو آیات کریمہ اور احادیث نبویہ کی تفسیر و تعمیل ہو رہی ہے اور دوسری طرف یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ تمام صحابہ کرام کا اجماعی فتویٰ یہی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں مرتد کی سزا قتل ہے، لاشک فیہ۔

خلفاء راشدین کے بعد

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد باقی خلفاء اور امراء اسلام مثل خالد قسری، عبدالملک بن مروان، خلیفہ منصور، خلیفہ مہدی، خلیفہ معتصم باللہ وغیرہ وغیرہ کے زمانہ میں بھی ارتداد کی سزا قتل پر عمل ہوتا رہا ہے، ان واقعات کیلئے فتح الباری، شفاء قاضی عیاض اور تاریخ خلفاء وغیرہ کتب کو ملاحظہ کیا جائے، قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وفعل ذلک غیر واحد من الخلفاء والعلوٰک باشباہہم واجمع العلماء علی صواب فعلہم** (شرح شفاء خفاجی ص ۵۷۶) اور بہت سے خلفاء اور بادشاہوں نے مرتدین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے اور ان کے زمانہ کے علماء نے ان کے فعل کے موافق شرع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

## ائمہ اربعہ اور قتل مرتد

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ

(۱) جامع صغیر معنفہ امام احمد ص ۲۵۱ پر ہے **ويعرض علي المرتد حراً كان او عبداً**



الاسلام فسان انہی قتل مرتد پر اسلام پیش کیا جائے خواہ وہ غلام ہو یا آزاد پھر اگر (وہ اسلام) لانے سے انکار کرے تو قتل کر دیا جائے۔

(۲) قتال محمدان شاء الامام آخر المرتد ثلاثا ان طمع فی توبته لو سألہ عن ذلك المرتد وان لم يطمع فی ذلك و لم يستأه المرتد فقتله فلا بأس بذلك (موطا امام محمد ص ۲۸۲) امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر امام کو یہ توقع ہو کہ یہ مرتد توبہ کر لے گا یا خود مرتد مہلت طلب کرے تو امام کو اختیار ہے تین روز تک اس کے قتل کو مؤخر کر دے اور اگر نہ اس کو توبہ کی توقع ہو اور نہ وہ خود مہلت طلب کرے ایسی صورت میں اگر امام اس کو بلا مہلت دیے قتل کر دے تو مضائقہ نہیں۔  
حضرت امام مالک رحمہ اللہ

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مرتد کے معاملہ میں وہی قول قابل عمل ہے جو فاروق اعظم ؓ نے فرمایا، یعنی مرتد کو تین روز مہلت دے کر توبہ کی طرف بلایا جائے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔  
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں ایک روایت تو یہی ہے کہ تین دن مہلت دینے کے بعد توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے، دوسری روایت یہ کہ مرتد کو مہلت ہی نہ دی جائے، اگر وہ فی الحال توبہ نہ کرے فوراً قتل کر دیا جائے۔  
حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے کہ مرتد اگر فوری توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے (شرح شفاء خفا ج ۱ ص ۲۸۲ ج ۲)  
قتل مرتد پر علماء امت کا اجماع

کسی مسئلہ پر علماء امت کا اجماع جو کتاب وسنت کی روشنی اور نور تقویٰ اور فراست ایمانی کی چاندنی میں منعقد ہوا ہو یقیناً حجت ہے۔

عام طور پر آج کل کے قوانین حکومت تو کثرت رائے سے ہی طے پاتے ہیں اور کثرت بھی بسا اوقات حقیقی نہیں ہوتی بلکہ فرضی اور مصنوعی ہوتی ہے پھر بھی آج کل کے عقائد اس کا اعتبار کرتے ہیں

اور اس پر حکومتوں کے قیام کی بنیاد اور قوانین کی تعمیر کرتے ہیں، اجماع امت کا درجہ تو کثرت رائے کے مقابلہ میں لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے، یہ کسی مسئلہ پر امت کے علماء اور صلحاء کا اتفاق ہوتا ہے اور اس کی پشت پر کتاب و سنت کے دلائل ہوتے ہیں، تو پھر اس کے حجت اور لائق اعتبار ہونے میں کسی عاقل کو کلام کی کیا گنجائش ہے؟

قتل مرتد کے مسئلہ پر امت کے علماء کا اجماع ہے، صحابہ کرام ؓ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے علاوہ بعد کے سلاطین اسلام کا طرز عمل بھی آپ نے اوپر کی تحریر میں ملاحظہ کر لیا اور علماء مجتہدین، فقہائے اسلام کے فتاویٰ اور ان کے اقوال بھی اوپر گزر چکے ہیں، ان سب سے واضح ہے کہ امت مسلمہ کے ہر دور میں اس پر اجماع رہا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قال ابن دقيق العيد المردة سبب لابطاح دم المسلم بالاجماع في الرجل واما المرأة ففيها خلاف علامدا بن وقتق العيد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد ہونا بالاتفاق مرد کے حق میں سبب ہے خون کے حلال ہونے کا، البتہ عورت کے حق میں قتل میں اختلاف ہے۔

(۲) علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں وقال شيخنا في شرح الترمذي وقد اجمع العلماء على قتل المرتد اذا لم يرجع الى الاسلام واصر على الكفر واختلفوا في قتل المرتدة فجعلها اكثر العلماء كالرجل المرتد وقال ابو حنيفة لا تقتل المرتدة لعموم قول نهي عن قتل النساء والنسيان (عینی شرح بخاری ص ۴۱۱ ج ۲۳)

ہمارے شیخ نے شرح ترمذی میں فرمایا ہے علماء نے قتل مرتد پر اجماع فرمایا ہے جبکہ وہ ارتداد پر قائم رہے اور اسلام کی طرف رجوع نہ کرے اور کفر پر مداومت اختیار کرے، اور مرتد عورت کے قتل میں اختلاف ہے اکثر علماء نے مرتد عورت کو بھی مثل مرد کے واجب القتل قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے بوجہ عام ہونے قول پیغمبر علیہ السلام کے کہ آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

(۳) شیخ عبد الوہاب الشحرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد اتفق الاثمة على ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله (ميزان کبریٰ) ائمہ نے



اتفاق فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام لا کر پھر جائے تو اس کا قتل واجب ہے۔

کیا قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کی ترقی میں حائل ہے؟

خلافت راشدہ میں مرتدین کا قتل کیا جانا تفسیر وحدیث اور تاریخ کے مسلمات میں سے ہے، لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کی ترقی کی رفتار خلافت راشدہ کے دور میں جس قدر سرلج اور تیز رہی کہ جس سے اقوام عالم آج تک حیران ہیں اس کے بعد اس قدر ترقی اسلام کو کبھی حاصل نہیں ہوئی، اس سے واضح ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کی ترقی میں حائل نہیں رہا، خلافت راشدہ میں بے شمار یہودی، نصرانی اور مجوسی اور مشرکین اسلام کے حلقہ بگوش بنے مگر قتل مرتدین کو دیکھ کر ان میں سے کوئی بھی اسلام سے بدگمان نہیں ہوا، حقیقت یہ ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کو زہریلے جراثیم سے محفوظ رکھنے کیلئے ہے تاکہ ایمانداروں کے ایمان اس کے ارتداد سے مسموم اور متاثر نہ ہو جائیں، اس فتنہ کے انسداد کیلئے پوری قوت کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے۔

(۴) فقال الموفق في المغني واجمع اهل العلم على وجوب قتل المرتد روى ذلك عن ابي بكر وعمر وعثمان ومعاذ وابي موسى وابن عباس وخالد وغيرهم ولم ينكر ذلك فلكان اجماعا (۱۰، ۷۴) (از علماء السنن ص ۵۶۳ ج ۱۲) مرتد کے قتل کے واجب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے، ابو بکر، عمر، عثمان و معاذ، ابو موسیٰ، ابن عباس، خالد (رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے یہ مروی ہے اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا۔ (جاری ہے)

## دعاء مغفرت کی درخواست

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم کی والدہ ماجدہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ بروز بدھ کو اپنے محبوب حقیقی سے جا ملیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین سے مرحومہ کی مغفرت کا ملہ اور رفع درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے (ادارہ)

مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

## اسلامی سزائیں

درج ذیل مقالہ گذشتہ سال اشریہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کی فرمائش پر تحریر کیا گیا تھا جس کا خلاصہ قومی کانفرنس ”اسلام کا فوجداری قانون بنیادی تصورات اور عملی تطبیق“ منعقدہ مورخہ ۱۱ جولائی ۲۰۰۵ء اشریہ اکیڈمی اسلام آباد میں جامعہ حقانیہ کے مدرس مولانا محمد عبداللہ چنیوٹی نے پڑھ کر سنایا، اس مقالہ میں اسلامی سزائوں کی تفصیلی کے ساتھ ساتھ حدسرقہ سے متعلق حدود آرتھنس کی بعض شکوک کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے، اسلام کا نظام حدود و تعزیرات ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جس کی اہمیت و ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن آج کل حدود آرتھنس ۱۹۷۹ء کی آٹھ میں بعض آزاد کش اسلام کی مقرر کردہ سزائوں میں ترمیم کی آواز اٹھا رہے ہیں جو انتہائی خطرناک ہے، ان حالات میں امید ہے کہ یہ مقالہ قارئین کرام کیلئے مفید ثابت ہوگا..... (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آرتھنس بابت حدسرقہ ۱۹۷۹ء پر گفتگو سے قبل مناسب ہے کہ شرعی سزائوں کے احکام اور ان کی تعریف پر بھی کلام کیا جائے اس لئے اس مقالہ میں ہماری بحث تین حصوں پر مشتمل ہوگی، پہلے حصہ میں شرعی سزائوں کی تعریف اور ان کی اقسام، دوسرے حصہ میں حدسرقہ سے متعلق اسلامی نقطہ نظر اور تیسرے حصہ میں آرتھنس بابت حدسرقہ مجریہ ۱۹۷۹ء پر تبصرہ۔

شرعی سزائوں کی تعریف اور ان کی اقسام

دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزائوں کو تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے خواہ وہ کسی بھی جرم سے متعلق ہوں اس لئے تعزیرات ہند، تعزیرات پاکستان کے نام سے جو کتابیں ملک میں پائی جاتی ہیں اس میں ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزائوں کا ذکر ہے جبکہ شریعت اسلامیہ میں جرائم کی سزائوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حدود (۲) قصاص (۳) تعزیرات۔

جرائم کی وہ سزا جو قرآن و سنت اور اجماع نے متعین کر دی ہو اس کی دو قسمیں ہیں ایک

حدود، دوسری قصاص۔



حدود: شرعی اصطلاح میں ایسے جرم کی سزا کو کہا جاتا ہے جس میں حق اللہ غالب ہو۔  
 قصاص: ایسی سزا جس میں حق العبد غالب ہو۔  
 تعزیرات: کسی بھی جرم کی وہ سزا جو قرآن و سنت نے متعین نہیں فرمائی بلکہ اسے حاکم وقت یا قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔  
 حدود کی تعداد

شریعت اسلام میں حدود کی تعداد چھ ہے (۱) ڈاکہ (۲) چوری (۳) زنا (۴) تہمت زنا (۵) شراب خوری (۶) مرتد کی سزا۔  
 حدود و قصاص میں فرق

جرائم کی وہ سزا جو قرآن و سنت نے متعین فرمادی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک حد اور ایک قصاص بنیادی طور پر یہ دونوں اگرچہ اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں سزا کی تقسیم قرآن کریم اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جاتی ہے لیکن ان دونوں کے حکم میں یہ فرق ہے کہ حدود (پانچ جرائم کی سزائیں) جس طرح کوئی حاکم و امیر کم یا معاف نہیں کر سکتا اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی معاف نہیں ہوتیں، البتہ اگر اخلاص کے ساتھ توبہ کر لے تو آخرت میں معافی ہو جاتی ہے۔

ان پانچ میں سے صرف ڈاکہ کی سزا ایسی ہے کہ اگر ڈاکو گرفتاری سے قبل توبہ کر لے اور معاملات سے اس کی توبہ کا اطمینان ہو جائے تو یہ حد ساقط ہو جائے گی البتہ گرفتاری کے بعد کی توبہ کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں خواہ توبہ گرفتاری سے قبل کرے یا بعد میں۔

قصاص کی سزا بھی اگرچہ حدود کی طرح قرآن کریم میں متعین ہے کہ جان کے بدلے میں جان اور زخموں کے بدلہ میں مساوی زخموں کی سزا دی جائے لیکن حدود کو چونکہ بحیثیت حق اللہ کے نافذ کیا جاتا ہے اس لئے اگر صاحب حق معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہیں ہوگا اور حد ساقط نہیں ہوگی مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی۔

رہا قصاص کا معاملہ تو چونکہ اس میں حق العبد غالب ہے اس لئے ولی مقتول کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لے لے یا معاف کر دے، اسی طرح زخموں کے قصاص میں بھی یہی حکم ہے۔

## حدود اور تعزیری کا فرق

حدود اللہ ان سزائوں کو کہا جاتا ہے جو متعین سزائیں ہیں اور تعزیر غیر متعین سزائوں کو۔ تمام تعزیری جرائم میں صحیح اور جائز سفارش سنی جاسکتی ہے لیکن حدود میں سفارش کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا سننا جائز ہے۔ حدود کی سزائیں چونکہ سخت ہیں اور ان کی شرائط بھی کڑی ہیں اس لئے شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں چنانچہ مسلمہ قانون ہے الحدود تدریج بالشبهات جبکہ تعزیر شبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

تعزیری سزائیں حالات کے تحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں اور سخت سے سخت بھی اور یہ اختیار بھی ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے اور حدود میں کسی حکومت امیر و حاکم کو نہ معاف کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی کسی قسم کے رد و بدل اور تغیر کا۔

تعزیر کے سلسلہ میں ایک وضاحت

جن جرائم میں شریعت نے سزائیں نہیں فرمائی ان میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ قاضی کے اختیار میں دیدیا جائے کہ وہ ہر زمانہ، ہر مکان اور ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کیلئے ضروری سمجھے وہ جاری کرے۔ دوسرے یہ کہ اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ کرتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا دے اور جرائم کی سزائوں کا کوئی خاص پیمانہ مقرر کر دے، دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن دوسری صورت آج کل کے حالات کے پیش نظر زیادہ بہتر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات کا شبہ ہے کہ جب قرآن و سنت میں مقررہ حد کا نفاذ نہ ہو سکے یعنی حد کسی شبہ یا کسی شرط کے فقدان کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے گی جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہوگی اور جرائم بڑھتے چلے جائیں گے۔

یہ شبہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حد کے عدم نفاذ سے یہ سمجھنا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے گی صحیح نہیں، کیونکہ اس صورت میں حاکم اسے مناسب تعزیری سزا دے سکتا ہے اور تعزیری سزائیں عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں جو عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا سبب بن سکتی ہیں۔



مثلاً زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ہیں اور گواہ بھی عادل اور ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا مگر از روئے قانون شرعاً چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بھی مجرم کو یوں نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ حاکم وقت اس کو مناسب مزادے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے جس سے آئندہ یہ شخص جرم پر بے باک نہیں ہوگا۔

اسی طرح چوری کیلئے جو شرائط مقرر ہیں ان میں کمی یا شبہ کی وجہ سے اگر مجرم پر حد شرعی یعنی قطعید کی مزانا فہ نہ ہو سکے تو اسے بھی حسب حال دوسری مناسب مزادی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اگر قصاص ساقط ہو جائے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی دے دی جائے گی کیونکہ حاکم تعزیری مزادے سکتا ہے اس پر یہ شبہ کہ اگر خود مجرم کو اولیاء مقتول معاف کر دیں تو قاتل کو جرأت بڑھ جائے گی صحیح نہیں، کیونکہ قاتل کی جان لینا ولی مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کر دیا لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت کی جو ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے وہ اس کے تحفظ کیلئے قاتل کو عمر قید یا دوسری مزادے کر اس خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے۔

سرقہ کی اصطلاحی تعریف اور شرائط

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے اس کو سرقہ کہتے ہیں اس تعریف کے صادق آنے کیلئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہیں جیسے رفاہ عامہ کے ادارے اور ان کی اشیاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی اپنی ملکیت یا ملکیت کا شبہ تھا یا ایسی چیز ہے جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی البتہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر کے طور پر مناسب مزاجاری کر سکتا ہے۔

دوم یہ کہ وہ مال محفوظ ہو یعنی متقل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہو، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھا لے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور اگر مال

کے محفوظ ہونے میں شبہ ہو جائے تب بھی حد سرقہ ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا الگ چیز ہے۔  
 سوم یہ کہ بلا اجازت ہو، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہو وہ اس کو لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اگر اجازت کا شبہ پیدا ہو جائے تب بھی حد سرقہ ساقط ہو جائے گی۔  
 چہارم چھپا کر لینا، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے لہذا اگر خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

**تشریح:** مذکورہ بالا شرائط سے واضح ہے کہ شریعت اسلامیہ میں قطعید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا مطلقاً ہر چوری پر عائد نہیں ہوتی جسے عرف عام میں چوری کہا جاتا ہے بلکہ سرقہ جس پر سارق کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس کی ایک مخصوص تعریف ہے کہ کسی کا مال محفوظ جگہ سے سامان حفاظت توڑ کر ناجائز طور پر خفیہ طریقہ سے نکال لیا جائے۔ اس تعریف کی رو سے بہت سی صورتیں جن کو عرفاً چوری کہا جاتا ہے حد سرقہ کی تعریف سے نکل جاتی ہیں، مثلاً محفوظ مکان کی شرط سے معلوم ہوا کہ عام پبلک مقامات مثلاً مسجد، عید گاہ، پارک، کلب، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل، جہاز وغیرہ میں عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کی کوئی چوری کرے یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرائے یا شہد کی چوری کرے تو اس پر حد سرقہ جاری نہیں ہوگی بلکہ عام ممالک کے قوانین کی طرح تعزیری سزا دی جائے گی۔

اسی طرح وہ آدمی جس کو آپ نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے رکھی ہے خواہ وہ آپ کا نوکر ہو یا مزدور و معمار ہو یا کوئی دوست، عزیز ہو وہ اگر آپ کے مکان سے کوئی چیز لے جائے تو وہ اگرچہ عرفی چوری میں داخل اور تعزیری سزا کا مستحق ہے مگر ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا اس پر جاری نہ ہوگی کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا اس کے حق میں حفاظت مکمل نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی یا ہاتھ سے زیور یا نقد چھین لیا یا دھوکہ دے کر وصول کر لیا یا امانت لے کر مکر گیا یہ سب چیزیں حرام و ناجائز اور عرفی چوری میں ضرور داخل ہیں مگر چونکہ شرعی سرقہ کی تعریف میں داخل نہیں اس لئے ان پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا بلکہ ان سب کی سزا تعزیری ہے جو حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے۔

اسی طرح کفن کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ اول تو وہ محفوظ جگہ نہیں دوسرے کفن میت کی ملکیت نہیں، ہاں اس کا یہ فعل سخت حرام ہے اس پر تعزیری سزا حسب صوابدید حاکم



جاری کی جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی نے ایک مشترک مال میں چوری کر لی جس میں اس کا بھی کچھ حصہ ہے خواہ میراث کا مشترک مال تھا یا شرکت، تجارت کا مال تھا تو اس صورت میں چونکہ لینے والے کی ملکیت کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل ہے اس ملکیت کے شبہ کی وجہ سے حد شرعی ساقط ہو جائے گی اور تعزیری سزا دی جائے گی (تفصیلات کیلئے تفسیر معارف القرآن مولفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کو ملا حفظہ کیا جائے)

سنت کی روشنی میں مرقہ کی وضاحت

آیت قرآنی السارق والسارقة سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ حکم ہر قسم کے چور کیلئے عام ہے خواہ اس نے ایک روپیہ چوری کیا ہو یا ایک لاکھ لیکن سنت نے اس حکم میں تخصیص کی اور حکم دیا کہ نصاب سے کم مالیت کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کٹے گا، گویا سنت نے آیت کے حکم کو صرف اس چور کے ساتھ مخصوص کر دیا جس نے کم از کم نصاب کی مالیت چرائی ہو۔

اسی طرح مذکورہ آیت میں اس بات کی کوئی تفصیل نہیں تھی کہ چور کا ہاتھ کس زمانے میں کاٹا جائے اور کس زمانہ میں نہ کاٹا جائے لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قحط سالی کے زمانے میں چوروں کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں چنانچہ حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے لا قسط فی زمن المجاع قحط سالی کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے (کنز العمال ص ۹ ج ۳)

اس حدیث کی بنا پر حضرت عمرؓ نے زمانہ قحط میں یہ سزا موقوف فرمادی اسی طرح قرآن کریم کے عام حکم میں ہر چوری داخل ہے خواہ وہ بچوں ہی کی کیوں نہ ہو۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا قطع فی ثمر (کنز العمال ص ۹ ج ۳) (عدالتی فیصلے ج ۱)

حدود میں شہادت کی شرائط

حدود کے نفاذ میں شریعت اسلامیہ نے ضابطہ شہادت بھی عام معاملات سے ممتاز اور بہت محتاط بنایا ہے، زنا کی سزا میں تو دو گواہوں کی بجائے چار گواہوں کو شرط قرار دے دیا اور وہ بھی جبکہ وہ ایسی عینی گواہی دیں جس میں کوئی لفظ مشتبہ نہ رہے۔

چوری وغیرہ کے معاملہ میں اگرچہ دو ہی گواہ کافی ہیں مگر ان دو کیلئے عام شرائط شہادت کے

علاوہ کچھ مزید شرطیں بھی عائد کی گئی ہیں، مثلاً دوسرے معاملات میں مواقع ضرورت میں قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ کسی فاسق آدمی کے بارہ میں اگر قاضی کو اطمینان ہو جائے کہ عملی فاسق ہونے کے باوجود یہ جھوٹ نہیں بولتا تو قاضی اس کی کواہی کو قبول کر سکتا ہے لیکن صرف حدود میں قاضی کو اس کی کواہی قبول کرنے کا اختیار نہیں عام معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی کواہی پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے مگر حدود میں دو مردوں کی کواہی ضروری ہے۔

عام معاملات میں شریعت اسلام نے تہادی (مدت دراز گزر جانے) کو عذر نہیں قرار دیا واقعہ کے کتنے ہی عرصہ کے بعد کوئی کواہی دے تو قبول کی جاسکتی ہے لیکن حدود میں اگر فوری کواہی نہ دی بلکہ ایک مہینہ یا اس سے زائد دیر کر کے کواہی دی تو وہ قابل قبول نہیں۔ ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

وشرائط قبول البينة في باب السرقة بعضها يعم البينات كلها وقد ذكرنا ذلك في كتاب الشهادات، وبعضها يخص ابواب الجنود والقصاص وهو المذكورة والعدالة والاصالة، فلا تقبل فيها شهادة النساء ولا شهادة السفاهة ولا الشهادة على الشهادة، لان في شهادة هؤلاء زيادة شبهة لا ضرورة الي تحمّلها فيما يحنال لدفعه ويحتاط لدفعه، وكذا عدم تقدم العهد الا في حد القذف والقصاص، حتى لو شهدوا بالسرقة بعد حين لم تقبل ولا يقطع ويضمن العمال الخ (ص ۱۳۰ ج ۷ الفصل السادس من كتاب السرقة واما بيان ما تظهيره السرقة عند القاضي )

### اسلامی سزائوں پر اعتراض کا جواب

اسلامی سزائوں پر اہل یورپ اور ان کی تعلیم و تہذیب سے متاثر لوگوں کا یہ عام اعتراض ہے کہ یہ سزائیں سخت ہیں اور بعض نا عاقبت اندیش لوگ تو یہ کہنے سے بھی باز نہیں آتے کہ یہ سزائیں وحشیانہ اور شرافت انسانی کے خلاف ہیں۔

اس پروپیگنڈے کے جواب سے قبل یہ حقیقت پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ یہ اعتراض ان لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جو تہذیب انسانی اور حقوق انسانی کے دعویدار ہیں اور اس کے باوجود وہ جرائم پیشہ لوگوں پر تو رحم کھاتے ہیں مگر پوری عالم انسانیت پر رحم نہیں کھاتے جن کی زندگیوں کو ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا رکھا ہے، حالانکہ یہ روش سراسر عقل کے خلاف اور انصاف سے متصادم



ہے کیونکہ ایک مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کے مترادف ہے جبکہ امن عامہ کو مختل کرنے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی ہے، اس لئے خالق کائنات رب العلمین جو نیک، بد، فاسق و فاجر، اہل رواد و شرار ہر ایک کو رزق عطا کرتا ہے، سانپوں بچھوؤں کو رزق دیتا ہے اور جس کی رحمت سب پر حاوی ہے اس نے جب اپنی حکمت بالغہ کے تحت حدود کو بیان فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِی دِیْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کے جاری کرنے میں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے۔ اسی طرح قصاص کو عالم انسانی کی حیات قرار دیا اور فرمایا وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْرَةٌ یَا اُولِی الْاَلْبَاب۔

اس سے صاف واضح ہے کہ جرائم کا انسداد اللہ کے نفاذ کے بغیر ممکن ہی نہیں، اب جو لوگ ان حدود پر اعتراض کرتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ جرائم کا انسداد ہو ورنہ جہاں تک رحمت و شفقت کا معاملہ ہے وہ شریعت اسلام سے زیادہ کوئی نہیں سکھا سکتا جس نے عین میدان جنگ میں اپنے قاتل دشمنوں کا حق پہچانا اور حکم دیا کہ عورت اگر سامنے آ جائے تو ہاتھ روک لو اسی طرح بچہ سامنے آ جائے تو بھی ہاتھ روک لیا جائے، بوڑھا سامنے آ جائے تب بھی یہی حکم ہے، اسی طرح مذہبی عالم جو تمہارے مقابلہ پر قتل میں شریک نہ ہو بلکہ اپنے طرز کی عبادت میں مشغول ہو اس کو قتل نہ کرو۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسلامی سزائوں پر اعتراض کیلئے ان لوگوں کی زبانیں اٹھتی ہیں جن کے ہاتھ ابھی تک ہیر و شیشما کے لاکھوں ایسے بے گناہ اور بے قصور انسانوں کے خون سے رنگین ہیں جن کے دل میں شاید کبھی مقابلہ اور مقاتلہ کا تصور بھی نہ آیا ہو، ان میں بچے، عورتیں اور بوڑھے سب ہی شامل ہیں اور پھر یہ وہی لوگ ہیں جن کی آتش غضب ہیر و شیشما کے حادثہ سے بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی بلکہ روز کسی نئے سے نئے بم بنانے اور اس کے تجربہ میں مشغول ہیں۔

اس کے بعد اگر ان حدود کا تحقیقی تجزیہ کیا جائے جو حق تعالیٰ نے مختلف سنگین قسم کے جرائم پر مقرر فرمائی ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان سنگین جرائم کے انسداد کا اس کے سوا کوئی حل ہی نہیں، یہ ایسے گھناؤنے جرم ہیں جو معاشرے کیلئے باعث ہلاکت ہیں جب تک ایسے مجرموں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جائے گا عالم میں کبھی امن پیدا نہیں ہوگا ان جرائم کی سنگین نوعیت کے پیش نظر یہ سزائیں ہرگز ہرگز سخت نہیں ہیں بلکہ یہ حکمت و عقل کے تقاضا اور اس کے عین مطابق ہیں۔

پھر جن مخصوص پانچ یا چھ جرائم کی سزائیں بطور حد کے مقرر ہیں ان میں بھی اگرچہ جرم کا

ثبوت شریعت کے مقرر کردہ ضابطہ شہادت کے مطابق نہ ہو سکے یا جرم کے ثبوت کے بعد حد جاری کرنے کی شرائط مکمل نہ ہوں تو حد جاری نہیں ہوگی، اسی طرح اگر شبہ پڑ جائے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی اگرچہ تعزیر پھر بھی جاری ہو سکے گی۔

اس سے واضح ہے کہ حدود میں بھی بہت سی صورتیں ایسی نکل آتی ہیں جہاں ان کا نفاذ نہیں ہوتا بلکہ وہ تعزیری سزائیں منتقل ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب کہیں تکمیل جرم تکمیل ثبوت کے ساتھ جمع ہو تب حد نافذ کی جاتی ہے اور ایسی عبرتناک سزا مجرم کو دی جاتی ہے جس کی ہیبت لوگوں کے قلب و دماغ پر مسلط ہو جائے اور اس جرم کے پاس جاتے ہوئے بھی بدن پر لرزہ پڑ جائے جو ہمیشہ کیلئے انسداد جرائم اور امن عامہ کا ذریعہ بنتی ہے، جبکہ مروجہ تعزیری قوانین میں یہ سقم ہے کہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں ایک کھیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اس لئے وہ جیل خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی آنکھ نہ اس جرم کو خوبصورتی سے کرنے کے پروگرام بناتے رہتے ہیں۔

جن اسلامی ممالک میں جرائم پر حدود نافذ ہیں ان کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہاں نہ بہت سے افراد ہاتھ کٹے نظر آتے ہیں نہ برہنہ سزا تک سنگساری کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے، اسلامی سزائوں کا مسلمانوں کے قلوب پر اس قدر رعب اور دبدبہ ہے کہ وہاں چوری ڈاکہ اور بے حیائی کا نام نظر نہیں آتا اس کی مثال میں مملکت اسلامیہ سعودیہ عربیہ کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہاں دن میں پانچ مرتبہ ہر شخص دیکھتا ہے کہ دوکانیں کھلی ہوئی ہیں لاکھوں کا سامان ان میں پڑا ہوا ہے اور دوکان کا مالک بغیر دوکان بند کئے ہوئے نماز کیلئے حرم میں پہنچ جاتا ہے اس کو یہ وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا مال دوکان سے غائب ہو جائے گا، اس کی مثال دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک میں پیش نہیں کی جاسکتی (ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ۳ ص ۱۳۳ تا ۱۳۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد

اسلامی سزائوں پر متورین اور اہل یورپ کے اعتراضات کا سب سے عمدہ جواب وہ ہے جو حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قدس سرہ نے ان جرائم کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، ذیل میں حضرت الامامؒ کی وہ عبارت بلفظ پیش خدمت ہے:

اعمالہم ان من المعاصی ما شرع اللہ فیہ الحد، وذلك کل معصیۃ جمعت



وجورها من المفسدة، بان كانت فسادا فى الارض، واقتضابا على طمأنينة المسلمين  
وكما انت لها داعية فى نفوس بنى ادم لاتزال تهيج فيها، ولها ضرارة لا يستطيعون الاقلاع  
منها، بعد ان اشربت قلوبهم بها، وكان فيه ضرر لا يستطيع المظلوم دفعه عن نفسه فى  
كثير من الاحيان، وكان كثير الزفرع فيما بين الناس، فمثل هذه المعاصى لا يكفى فيها  
الترهيب بعذاب الآخرة، بل لابد من إقامة دالة شديدة عليها، وإيلا لم يكن بين اعميتهم  
ذلك، فيرد عليهم عما يريدونه، كالزنا، فانها تهيج من الشبق، والرغبة فى جمال النساء،  
ولها شر، وفيها عار شديد على اهلها، وفي مزاحمة الناس على موطوءة تغيير الجيلة  
الانسانية، وهى مظنة المقتاتلات والمخاريبات فيما بينهم، ولا يكون غالبا الا برضا  
الزانية والزاني، وفي المخالوات حيث لا يطلع عليها الا البعض، فلولم يشرع فيها حد  
وجميع لم يحصل الردع وكالسرقه، فان الانسان كثيرا ما لا يجد كسبا صالحا، فينحدر  
الى السرقه، ولها ضرارة فى نفوسهم، ولا يكون الا خفاء بحيث لا يراه الناس بخلاف  
المغصب، فانه يكون باحتجاج وشبهة لا يثبتها الشرع، وفي تضاعف معاملات بينهما،  
وعلى اعمى الناس، فصار معاملة من المعاملات، وكقطع الطريق، فانه لا يستطيع  
المظلوم ذبه عن نفسه وماله، ولا يكون فى بلاد المسلمين، وتحت شركتهم، فيلجأوا،  
فلا بد لمثله ان يزداد فى الجزاء والعقوبة - وكشرب الخمر، فان لها شرها وفيها فسادا فى  
الارض، وزوالا لمسكة عقولهم التى بها صلاح معادهم ومعاشهم - وكالقتل، فان  
المقتول يتأذى اذى شديدا، ولا يقدر على دفعه بالقتل ونحوه، لانه ان قتل قتل به،  
وان ضرب ضرب به، فوجب فى مثله زاجر عظيم -

(حجة الله البالغة ص ١٥٨ ج ٢، ما غوازى تكملة فتح الملهم ص ٢٦٠ ج ٢)

## عقیدہ حیات النبی ﷺ اور حضرت عزیر علیہ السلام

عصر حاضر کے معتزلہ کے واعظین قرآن مجید میں بیان کردہ درج ذیل واقعہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ قبر اور سماع عند القبر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اس واقعہ میں قرآن عزیز نے صاحبِ واقعہ کا قطعاً تعین نہیں کیا بلکہ ہم انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (ترجمہ آیت) اور کیا تم نے اس شخص کا حال نہ دیکھا جس کا ایک بہتی پر گزر رہا جو اپنی چھتوں سمیت زمین پر ڈھیر تھا تو وہ کہنے لگا اس بہتی کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو زندگی دے گا (آباد کرے گا) بس اللہ نے اس شخص پر (اسی جگہ) سو برس تک موت طاری کر دی اور پھر زندہ کر دیا، اللہ نے دریافت کیا تم یہاں کتنی مدت پڑے رہے؟ اس نے جواب دیا ایک دن یا دن کا بعض حصہ، اللہ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ تم سو برس تک اس حالت میں رہے پس تم اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو دیکھو کہ وہ بگڑی تک نہیں اور پھر اپنے گدھے کو دیکھو (کہ وہ گل مرز کرہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے) اور (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) تاکہ ہم تم کو لوگوں کیلئے ”نشان“ بنائیں اور اب تم دیکھو کہ کس طرح ہم ہڈیوں کو ایک دوسرے پر چڑھاتے اور آپس میں جوڑتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پس جب اس کو ہماری قدرت کا مشاہدہ ہو گیا تو اس نے کہا میں یقین کرتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (سورہ بقرہ پ ۳ رکوع ۲۵ آیت نمبر ۲۵۹)

قارئین کرام! منکرین حیات الانبیاء کا اس قرآنی واقعہ سے استدلال کرنا سراسر باطل اور دھوکہ بلکہ ایک قسم کی تلبیس ہے اور اس تلبیس کا پردہ چاک کرنے کیلئے چند دلائل آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں جن میں غور کرنے سے ہر ذی شعور شخص پر ان کے استدلال کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ واقعہ کا نام تک نہیں لیا

سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا نام متعین نہیں فرمایا جس شخص کو یہ واقعہ پیش آیا بلکہ ہم انداز میں فرمایا کہ ایک شخص کا ویران اور تباہ شدہ بہتی پر گزر رہا، لہذا مفسرین کرام کے متفقہ اصول کے مطابق (ایہمورا ما ابہمہ اللہ) اس صاحبِ واقعہ کو ہم رکھنا ہی مناسب ہے اور بلا دلیل از خود اس کا تعین کرنا مناسب ہے، کیونکہ کتاب و سنت میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ صاحبِ واقعہ



حضرت عزیر علیہ السلام تھے، البتہ حضرات مفسرین کرام نے اپنی اپنی تفاسیر میں فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت ارمیاہ علیہ السلام کا ہے، بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھا اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شخص ایک کافر بادشاہ تھا جو البعث بعد الموت کا منکر تھا۔

صاحب واقعہ کی شخصیت کے تعین کی بنیاد اسرائیلی روایات ہیں

محترم قارئین! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صاحب واقعہ کا تعین نہ تو قرآن پاک میں کیا گیا ہے نہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں، جب قرآن وحدیث میں اس شخص کو متعین نہیں کیا گیا کہ وہ کون تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعین کرنے والوں نے اسے کیسے متعین کیا تو جواب واضح ہے کہ اس تعین کی بنیاد اسرائیلی روایات ہیں چنانچہ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قرآن عزیز نے اس ہستی کا نام ذکر نہیں کیا اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور صحابہ و تابعین سے جو آثار منقول ہیں ان کا مآخذ بھی وہ روایات واقوال ہیں جو وہب بن منبہ، کعب احبار اور حضرت عبداللہ بن سلام تک پہنچتے ہیں اور انہوں نے جن کو اسرائیلی واقعات سے نقل کر کے بیان کیا ہے، تو اب واقعہ سے متعلق شخصیت کی تحقیق کیلئے صرف ایک یہی راہ باقی رہ جاتی ہے کہ تو رات اور تاریخی مصادر سے اس کو حل کیا جائے (نقص القرآن ص ۲۳۹ ج ۲)

مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ صاحب واقعہ کا تعین نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں بلکہ اس کی بنیاد اسرائیلی روایات ہیں۔ غلط بیانی کی انتہا

جب صورت حال یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کو پیش آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ یہ قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے، مفسرین کرام بھی یہی فرماتے ہیں کہ جس چیز کو اللہ نے مبہم رکھا اسے مبہم ہی رکھنا چاہئے، اب جبکہ یہ یقینی طور پر معلوم ہی نہیں کہ یہ شخص کون تھا تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر عوام الناس کو یہ تاثر دینا کہ قرآن عزیز نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ سو سال تک مرنے رہے اور انہیں وقت کا پتہ بھی نہ چلا یہ غلط بیانی کی انتہا نہیں تو کیا ہے، بلکہ اس واقعہ کو اس رنگ میں پیش کرنا کہ سننے والے یہی سمجھیں کہ قرآن نے عزیر علیہ السلام کا نام لے کر یہ واقعہ بیان فرمایا ہے یقیناً کتاب اللہ پر اضافہ اور اللہ پر افتراء ہے۔

اسرائیلی روایات کبھی قرآن کے درجہ میں، کبھی انکار کی زد میں  
عصر ہذا کے معتزلہ کا عجیب مزاج ہے، اس واقعہ میں تو ان لوگوں نے اسرائیلی روایات کو  
قرآن کا درجہ دے رکھا ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیر مصر کی گھر والی کے نکاح کا  
مسئلہ چلتا ہے تو یہ حضرات یہ کہہ کر نکاح کا انکار کر دیتے ہیں کہ یوسف زلیخا کا نکاح نہ قرآن سے ثابت  
ہے نہ حدیث سے بلکہ اسرائیلی روایات سے ثابت ہے جن پر اعتبار نہیں ہے، اب یہاں تو یہ حضرات  
اسرائیلی روایات کو ٹھکرارہے ہیں اور وہاں اسرائیلی روایات کو قرآن کا درجہ دے رہے ہیں، کوئی ان  
شرفاء سے پوچھے آخر کیا وجہ ہے ایک ہی چیز کو کبھی قرآن بناتے ہو کبھی قرآن کے مخالف ٹھہراتے ہو،  
کسی دانا نے کیا خوب کہا ہے رخ میثھا میثھا ہپ ہپ کڑوا تھو تھو۔ کیا یہی اشاعت التوحید والسنۃ ہے کہ  
جو چیز خواہش نفس کے مطابق ہے اسے لیا جا رہا ہے اور جو چیز خواہش نفس کے خلاف ہے اسے ٹھکرایا  
جا رہا ہے، ہندہ عاجز کی دانست کے مطابق اتباع قرآن کے نام پر درحقیقت اتباع خواہش ہو رہی ہے  
اعاذنا اللہ منہ۔ قارئین کرام! جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ صاحب واقعہ متعین نہیں ہے بلکہ مبہم ہے تو اس  
سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات و سماع کی نفی کرنا خود بخود باطل ہے۔  
بے ڈھنگی چال

یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ منکرین حیات انبیاء نے جن اسرائیلی روایات کی بنیاد پر صاحب واقعہ  
کا تعین کیا ہے کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے انہیں روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام  
اللہ کے نبی نہ تھے بلکہ ایک نیک صالح مرد تھے، لیکن ستم ظریفی دیکھئے ان لوگوں نے تعین کی حد تک ان روایات  
کو قبول کیا بلکہ قرآن کا درجہ دیا اور ان روایات کے برعکس حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا نبی قرار دے دیا،  
چنانچہ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”مگر یہ واضح رہے کہ جن روایات میں حضرت  
عزیر کو آیات مسطورہ بالا کا مصداق قرار دیا گیا ہے ان میں یہ بھی تصریح ہے کہ عزیر علیہ السلام نبی نہیں تھے  
بلکہ مرد صالح تھے“ (تفصیل القرآن ص ۳۷۷ ج ۲) اگر ان لوگوں میں انصاف کی رتی ہوتی تو یہ حضرت عزیر  
علیہ السلام کو اللہ کا نبی نہ کہتے کیونکہ انہی کی اپنی پسندیدہ روایات میں یہی لکھا ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ نیک صالح  
مرد تھا، لیکن ان کی بے ڈھنگی چال ملاحظہ فرمائیے کہ جن اسرائیلی روایات کی بنیاد پر صاحب واقعہ شخص کا تعین  
کرتے ہیں انہیں روایات کو مسترد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ (جاری)



مولوی عابد محمود حقانی

# اسم محمد ﷺ

(قسط ۲)

فضائل و منافع اور خصوصیات

آپ سے قبل محمد نامی اشخاص

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب میں تین آدمیوں کے سوا کسی کا یہ نام سننے میں نہیں آیا (ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان تینوں کی پیدائش سے پہلے) ان کے باپ (کسی ضرورت سے) ایک بادشاہ کے پاس گئے، یہ بادشاہ تو رات و زور کا عالم تھا، اس نے ان عربوں کو بتلایا کہ جلد ہی ملک حجاز میں ایک نبی ظاہر ہوں گے جن کا نام محمد (ﷺ) ہوگا، اتفاق سے یہ تینوں آدمی اپنے گھروں سے جب چلے تھے تو اپنی بیویوں کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے تھے کہ وہ حاملہ تھیں، اس لئے اب بادشاہ کی یہ بات سن کر ان تینوں نے طے کیا کہ اگر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیں گے (چنانچہ ان کے یہاں لڑکے ہی پیدا ہوئے اور) انہوں نے ان کے نام محمد رکھے (یہی تین آدمی ہیں جن کے نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھے گئے) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پرانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نام محمد لکھا ہوا تھا احمد نہیں (سیرت حلبیہ ص ۲۶۰ ج ۱)

علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ میں نے محمد بن عدی سے سنا کہ اس سے کسی نے پوچھا جاہلیت کے زمانے میں تیرے باپ نے تیرا نام محمد کیسے رکھا؟ محمد بن عدی نے جواب دیا کہ میں نے بھی اپنے باپ سے اسی کے متعلق سوال کیا تھا تو اس نے جواب دیا، ایک دفعہ بنی تمیم کے چار آدمی جن میں سے ایک میں بھی تھا ملک شام جانے کیلئے روانہ ہوئے، ایک جگہ ہم نے ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالا، یہاں ایک خانقاہ بھی تھی (جب ہم وہاں ٹھہرے تو) خانقاہ کا محافظ (ہماری گفتگو سن کر) ہمارے پاس آیا اور بولا کہ جو زبان تم لوگ بول رہے ہو یہ اس علاقے کے لوگوں کی زبان تو ہے نہیں، یہ تو کسی دوسری قوم کی زبان ہے، ہم نے کہا کہ ہم منقر کی اولاد میں سے ہیں (یعنی قریش ہیں) اس نے پوچھا منقر کی اولاد میں کس شاخ سے ہو؟ ہم نے کہا خذف کی اولاد میں سے ہیں، تب اس نے کہا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم میں ایک نبی ظاہر فرمائے گا اس لئے تم لوگ فوراً اس کی پیروی کرنا اور اس نبی کی ذات سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہبری پا لینا، اس لئے کہ وہ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر ہونگے، یہ سن

کر ہم نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا نام کیا ہوگا، اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تاکہ کروہ اپنی خانقاہ میں واپس چلا گیا، خدا کی قسم اس کی یہ بات سننے کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے خاموشی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میرے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی لڑکا دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا کیونکہ جو کچھ اس خانقاہ والے راہب نے بتلایا تھا ہمیں اس کا لالچ تھا، یعنی ہم میں سے ہر ایک نے منت مان لی۔ غرض اس کے بعد جب ہم وطن واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس آرزو میں اپنے بچے کا نام محمد رکھا کہ ان میں سے کوئی وہ پیغمبر ہو جائے مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری سے کس کو نوازنے والا ہے (سیرت حلبیہ ص ۲۶۵ ج ۱، فتح الباری ص ۵۰۶ ج ۷)

### مختلف لوگ یکساں پیشینگوئیاں

ما قبل میں جو بادشاہ کا واقعہ ذکر ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین آدمی تھے اور اس مذکورہ بالا واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ چار آدمی تھے تو اس کی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے ان چار آدمیوں میں وہ تین آدمی بھی ہوں اور ان کو یہ بات دوہرا معلوم ہوئی ہو ایک بار بادشاہ کے پاس سے اور ایک بار خانقاہ کے محافظ سے مگر علامہ نے ان کو ذکر نہ کیا ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دو واقعے الگ الگ ہوں جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں اشخاص جن میں ابن عدی بھی شامل ہیں ان کو تو محافظ خانقاہ نے خبر دی ہو اور ان تین عربوں کو بادشاہ نے خبر دی ہو، تو اس طرح ملا کر یہ کل سات آدمی بن جائیں گے کہ آدمی تو مختلف ہیں مگر پیشینگوئیاں یکساں ہیں (سیرت حلبیہ ص ۲۶۵ ج ۱، تغیر)

### کاہنہ عورت کی پیشینگوئی

ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ سفیان بن مجاشع کا قبیلہ بنی تمیم کی ایک بہتی میں سے گذرا، اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک کاہنہ عورت کے پاس جمع ہیں اور وہ کہہ رہی ہے ”عزت والا وہ ہے جو اس کا ساتھی ہو گیا اور ذلیل وہ ہے جو اس سے دور رہا“ سفیان نے یہ جملہ سن کر اس کاہنہ سے پوچھا کہ خدا کیلئے یہ تو بتاؤ کہ تم کس کا ذکر کر رہی ہو؟ کاہنہ نے جواب دیا ”اسی کا جو ہدایت والا ہے، علم والا یعنی عالم ہے، جو جنگ کا بھی ماہر ہے اور امن و سلامتی والا بھی ہے“ سفیان نے پوچھا خدا تجھے خوش رکھے وہ کون ہے؟ کاہنہ نے کہا ”ایک نبی جو آنے والا ہے، جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے، جو سیاہ اور سرخ سب انسانوں کیلئے آئے گا اور جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔“



سفیان نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نبی عربی ہو گا یا عجمی یعنی غیر عرب ہو گا؟ کاہنہ عورت نے جواب دیا ”آسمان کی بلندیوں کی قسم اور پرچہ شاخوں والے درختوں کی قسم وہ نبی معدا بن عدنان کی نسل سے ہو گا، بس اتنا کافی ہے تم نے بہت کچھ پوچھ لیا اے سفیان“۔ چنانچہ اس کے بعد سفیان نے اس کاہنہ عورت سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور اپنے گھر واپس آ گیا، اس کی بیوی کو اس زمانے میں حمل تھا، جب (کچھ عرصہ بعد) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو سفیان نے بچے کا نام اس تمنا میں محمد رکھا کہ وہ نبی بھی ہو جائے جس کے اوصاف اس کاہنہ نے بیان کئے تھے (سیرت حلبیہ ص ۲۶۶ ج ۱)

آپ سے قبل محمد نامی افراد کی تعداد

محققین میں سے کسی نے ایسے لوگوں کی تعداد سولہ بتلائی ہے جن کا نام (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے) محمد رکھا گیا اور ان سب کو ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

ان الذین سمعوا باسم محمد من قبل خیر الخلق ضعف ثمان  
مخلوق میں سب سے بہترین انسان (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے جن لوگوں کا نام محمد رکھا گیا وہ آٹھ کے دو گئے یعنی سولہ ہیں۔

ابن الجراء معجم شمع بن ربيعة	ثم ابن مسلم يحمدي حرمانی
الحشي السليمي وابن اسامة	سعدی وابن سوافه هممدا نسی
وابن الجلامع مع الاسیدی يافني	ثم الفقمي هكنا الحمرا نسی

(سیرت حلبیہ ص ۲۶۶ ج ۱)

بعض نے ان پر بھی دو کا اضافہ کیا ہے اول محمد بن الحرث دوم محمد بن عمر بن مغفل جو اس شعر میں مذکور ہیں۔

وابن الحرث بعدهم وزد ابنا لمغفل جاء نسا بیان

(نیل الامانی ص ۲۳)

تو اس طرح یہ کل اٹھارہ اشخاص ہو جاتے ہیں جن کا آپ علیہ السلام سے قبل محمد نام تھا۔  
شبہ : ماقبل میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام سے قبل یہ نام کسی کا نہیں تھا، نیز اللہ رب العزت نے بھی اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ سے قبل یہ نام رکھنا نہ جائے تا کہ جہاں آپ کی

ذات محفوظ ہے وہاں آپ کا نام بھی محفوظ ہو جائے جبکہ ان اشعار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے قبل بھی یہ نام رکھا گیا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب راہبوں اور کاہنوں نے آپ علیہ السلام کے ظہور کے متعلق خوشخبریاں اور پیشینگوئیاں دینا شروع کیں تب لوگوں نے یہ نام رکھنا شروع کیا اس امید میں کہ شاید یہی وہ آثر ازمان نبی ہو جائے جس کی بشارتیں اور خوشخبریاں سابقہ کتب سماویہ میں دی گئی تھیں ورنہ اس سے قبل یہ نام کسی نے بھی نہیں رکھا تھا۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں محمد نامی افراد

جن لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا ان میں سے ان اشخاص نے اسلام کا زمانہ پایا (۱) محمد بن ربیعہ (۲) محمد بن حرث (۳) محمد بن مسلمہ۔ اگرچہ ان میں سے محمد بن مسلمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نہیں ہیں بلکہ) آنحضرت ﷺ کی ولادت کے چند سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں، نیز علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جس کا نام سب سے پہلے محمد رکھا گیا وہ محمد بن حاطب ہیں محمد نام کے سلسلے میں حضرت ابن عباس سے ایک حدیث مروی ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) قرآن پاک میں میرا نام تورات کی طرح محمد ذکر ہے اور انجیل میں احمد ذکر ہے (سیرت حلبیہ ص ۲۱۷ ج ۱) (جاری ہے)

## گردہ و مثانہ کی پتھری کا بلا آپریشن علاج

پتھری گردہ میں ہو یا مثانہ میں صرف 6 یوم میں ہی ان شاء اللہ پتھری خارج ہو جاتی ہے اور گردہ کا درد ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا ہے۔

حکیم حافظ محمد ارشد زبیر

صالح پتی دوا خانہ (ہمد)

گلی قاضی نوالی تحصیل ساہیوال ضلع سرگودھا فون 0302-6714995



مولوی محمد عارف دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

گذشتہ ادوار کی طرح آج کل بھی معاشرے میں جہالت کی بنا پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ بعض جہلاء کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بابرکات قرآن وحدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتی ہوئی نظر آتی ہے حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے، بیسیوں واقعات اس کی تردید اور امام صاحب کی فقاہت وللمہیت کو واضح کرتے ہیں، اگر امام صاحب نا عاقبت اندیشوں اور فتنہ پردازوں کے خیال کے مطابق قرآن وحدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے تو بڑے بڑے فقہاء خصوصاً ائمہ ثلاثہ، محدثین اور اولیاء کرام امام صاحب کی تعریف میں رطب اللسان نظر نہ آتے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمادیا للفقہاء کلہم عیال ابی حنیفۃ کہ تمام فقہاء (فقاہت میں) امام صاحب کے عیال (بچے) ہیں۔ امام صاحب کا اپنا قول ہے کہ ”اگر میرے قول (قیاس) کے مقابلے میں تمہیں کوئی ضعیف حدیث بھی ملے تو میرے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرو“ مذکورہ قول ابی حنیفہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امام صاحب پر قیاس کو ترجیح دینے کا الزام نہ صرف غلط ہے بلکہ قابل صد افسوس بھی ہے جیسا کہ ذیل کا واقعہ امام صاحب کا تتبع قرآن وسنت ہونا اور قیاس کو حدیث پر ترجیح نہ دینا ثابت کرتا ہے۔

واقعہ: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بار مدینہ طیبہ حاضری کے دوران جب امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں، امام باقر نے امام اعظم سے کہا وہ تم ہی ہو جو قیاس سے میرے مانا کی احادیث رد کرتے ہو، امام اعظم نے فرمایا معاذ اللہ حدیث کو کون رد کر سکتا ہے؟ آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں، اس کے بعد امام اعظم نے عرض کیا حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا عورت، عرض کیا وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا مرد کا، عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دوا حصہ دینے کا حکم کرتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، پھر عرض کیا نماز افضل ہے یا روزہ؟ ارشاد فرمایا نماز، عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو جائیداد عورت پر نماز کی قضاء بعد بچہ اولیٰ ہونی چاہئے، اگر میں احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ جائیداد عورت نماز کی قضاء ضرور کرے، اس پر امام باقر رحمۃ اللہ علیہ اتنے خوش ہوئے کہ اٹھ کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی چوم لی (بحوالہ ہر واقعہ بے مثال ماخوذ تیسرے حصہ الصحیحہ للسیوطی ص ۱۷۱)

محترم جناب سید شمشاد حسین صاحب

## محترمہ مشفقہ آپا جان رحمہا تعالیٰ

حضرت آپا جان مرحومہ کے ہاں جب بھی حاضری ہوتی ہے حد شفقتوں اور دعاؤں سے نوازتیں، بھائی جان فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کی یادیں تازہ ہو جاتیں اور اب دیکھتے ہی دیکھتے وہ شفیق ہستی بھی ہم سے جدا ہو گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ضلع کرناٹ تحصیل کیتھل (انڈیا) میں ایک قصبہ گمتھلہ گڈھو کے نام سے موسوم ہے، ہمارا خاندان اسی قصبہ میں رہتا تھا پھر اللہ کا کرم ہوا پاکستان وجود میں آیا اور ہم لوگ صرف اسلام اور دین کی خاطر ہجرت کر کے پاکستان کے قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں مقیم ہوئے۔

ہجرت کی یادوں میں سے صرف ایک تلخ یاد کا تذکرہ کروں گا کہ وہ لوگ جو ہندو مسلم بھائی بھائی کا فرہ لگاتے نہیں تھکتے تھے اعلان پاکستان کے بعد وہی لوگ درندے بن گئے اور مسلمان گھرانوں پر ٹوٹ پڑے، گمتھلہ کے قرب و جوار میں جو چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں اور جن میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی زیادہ ظلم انہی لوگوں پر کیا گیا، گھروں کو لوٹا گیا اور جوان بچیوں کو اغوا کیا گیا، قیامت کے اسی منظر میں چھوٹی بستیوں کے مسلمان قریبی شہروں اور قصبات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ قصبہ گمتھلہ میں بھی قریبی بستیوں سے مسلمان مہاجرین کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، پھر ایک شام کو یہ افواہ پھیلی کہ آج گمتھلہ پر ہندو اور سکھ جمع ہو کر حملہ کرنے والے ہیں جس میں لوٹ مار اور اغوا کی وارداتوں کے پروگرام بن رہے ہیں، میری عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی، مجھے یاد ہے کہ اس رات قصبہ کے سب نو جوان برچھے اور بھالے لے کر شہر کے گرد مختلف راستوں پر پہرہ دینے کیلئے منظم ہو گئے تھے، میرے چھوٹے دادا جی پیر جی ولی محمد شاہ صاحب رحمہ اللہ گھر میں آئے، ان کے ہاتھ میں تیز چھریاں تھیں وہ چھریاں انہوں نے خاندان کی نو جوان بچیوں کو تقسیم کر دیں اور کہا کہ اول تو ان شاء اللہ امید ہے کہ ہم لوگ محفوظ رہیں گے مگر پھر بھی خدا نخواستہ اگر ایسی صورت حال پیش آگئی کہ ہماری لاشوں سے گذر کر ہندو غنڈے مکان تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگیں تو تم لوگ فوراً ان چھریوں سے خودکشی کر لینا، وہ رات مجھے خوب یاد ہے، پوری رات ہم لوگوں نے جاگ کر گزاری تھی، سب عورتیں مصلے



بچھا کر دعا و زاری میں مصروف تھیں، ہماری آپا جان مرحومہ بھی انہی خواتین میں شامل تھیں، اللہ کا کرم ہوا اور ہم لوگ راستوں کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے پاکستان میں پھرتی ہوئی گئے۔

آپا جان مرحومہ کے والد ماجد حضرت حافظ سید عبدالرحیم قدس سرہ ان اہل اللہ میں سے تھے جن کو دیکھتے ہی اللہ کی یاد آ جاتی ہے، کورارنگ، چہرے پر تبسم اور ایک خاص نور نمایاں تھا، روزانہ پندرہ پارے پڑھنے کا معمول تھا جبکہ رمضان المبارک میں روزانہ ایک قرآن پاک کا ختم ہوتا تھا، ہجرت کے آخری مراحل تھے یعنی پاکستان میں داخل ہوتے ہی حضرت کا انتقال ہو گیا، پاکستان بننے سے قبل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے آخری زمانہ میں آپا جان مرحومہ کا نکاح میرے بڑے ماموں جان فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم مٹھلوی قدس سرہ (مجاز صحبت حضرت تھانوی قدس سرہ) کے فرزند ارجمند فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور رزندی رحمہ اللہ سے کر دیا تھا، بالآخر قصبہ ساہیوال ضلع سرکوہ ضا کو یہ شرف حاصل ہوا کہ سادات خاندان کا یہ مہاجر قبیلہ یہاں آباد ہوا، تقریباً ایک سال کے بعد ماموں جان سید مفتی عبدالکریم قدس سرہ بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے اور یوں پورے خاندان کا بوجھ بھائی جان حضرت مفتی سید عبدالشکور رزندی رحمہ اللہ کے کندھوں پر آن پڑا، غریب الوطنی اور فقر و فاقہ سے زندگی گزر رہی تھی کہ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہوئی جس میں دیگر علماء کرام کے ساتھ حضرت فقیہ العصر بھی پس زنداں چلے گئے، آپا جان مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ زندگی کا وہ زمانہ ہمارے لئے خاص طور پر امتحان کا زمانہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے وہ دور بھی گزاردیا۔

پھر مدرسہ عربیہ حقیقیہ کا قیام عمل میں آیا اور یوں عملی زندگی کا آغاز ہوا، آپا جان نے ایک مرتبہ اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان دنوں گھر میں کبھی پیاز نہ ہوتا کبھی لہسن نہ ہوتا میں عرض کرتی تو حضرت فرماتے کہ کیا یہ چیزیں لازمی ہیں سالن تو ان کے بغیر بھی پک سکتا ہے، مگر اس تنگی، ترشی کے باوجود میں جب کبھی بیمار ہوتی تو حضرت نے میرے علاج معالجہ میں کبھی کمی نہ آنے دی، قرض لیتے مگر دو اضرو رلے آتے اور فرماتے کہ یہ تو ہر مریض کا حق ہے، آپس میں میاں بیوی کی محبت دیدنی تھی اور میری اہلیہ مرحومہ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ اگر کسی نے مثالی جوڑا دیکھنا ہو تو وہ مفتی صاحب اور ان کی اہلیہ کو دیکھ لے، حضرت مفتی صاحب بھی بے حد قدردان تھے چنانچہ اس حقیقت کا کئی بار اظہار فرمایا کہ اگر میری بیوی کی حمایت اور صبر و محبت مجھے حاصل نہ ہوتی تو نہ یہ مدرسہ نہ مآثر مسجد۔

کل کی مجلس میں عزیز القدر مفتی سید عبدالقدوس ترمذی زید مجدہم نے ایک عجیب واقعہ سنایا جس سے اس گھر کے ماحول کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، فرمایا کہ قصبہ ساہیوال کے ایک نہایت مخلص اور دیندار گھرانہ کی خواتین نے آپا جان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ایک بار آپ ہمارے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں، آپا جان نے مسکرا کر مال دیا، وہ خواتین اپنی خواہش کو بار بار دہرائی رہیں تو ایک روز آپا جان نے فرمایا کہ اچھا آج بچوں کے والد صاحب سے ذکر کروں گی، شام کو حضرت گھر پر تشریف لائے تو آپا جان نے اس دیندار گھر کی خواتین کی خواہش کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں وہ گھر تو اپنے مخلصین کا ہے دن میں تو پردہ کا اہتمام مشکل ہے کسی وقت رات کو اپنے بچوں کے ہمراہ ہو آنا، جب رات کو پوچھا تو فرمایا کہ ابھی چاند کی روشنی کافی زیادہ ہے، تو آپا جان نے ہنس کر عرض کیا کہ دن میں تو سورج کی روشنی ہے اور رات کو چاند کی روشنی رہے گی یہ روشنیاں تو کبھی ختم نہ ہوں گی آپ صاف یوں کیوں نہیں کہتے کہ جانے کی اجازت ہی نہیں، حضرت ہنس پڑے اور روشنیوں کے اسی قصے میں بات آئی گئی ہو گئی۔

۲۴ جمادی الاولیٰ کو ساڑھے بارہ (۱۲:۱۵) بجے کے قریب جھنگ میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، بچوں نے ٹیلیفون اٹھایا تو یہ خبر سن کر سب کے دل دہل گئے کہ پورے خاندان پر جس ہستی کا سایہ تھا آج وہ سایہ بھی ہم سب کے سروں سے اٹھ گیا، احقر اور میرا بیٹا راحیل احمد ساہیوال حاضر ہوئے، ملتان، کبیر والا، جھنگ اور سرگودھا کے علاوہ دیگر مقامات سے علماء کرام اور عقیدتمندوں کی حاضری دیدنی تھی، رات کو عشاء کی نماز کے بعد لوگ جوق در جوق کورنمنٹ ہائی اسکول کے گراؤنڈ میں جمع ہونے لگے کیونکہ نماز جنازہ وہیں پڑا دہونی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان لوگوں سے بھر گیا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پورا شہر اُٹھ آیا ہو، گرمیوں کے دن، چھوٹی راتیں مگر دین کا یہ جذبہ ہر چیز پر مقدم تھا، بالآخر رات کے تقریباً دس بجے کے قریب عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے موقع کی مناسبت سے بہترین خطاب فرمایا کہ لوگو! یہ ایک عورت کا جنازہ ہے، عورتوں اور مردوں کے جنازے ہوتے ہی رہتے ہیں مگر یہ جم غفیر جو آپ کو نظر آ رہا ہے یہ ہر جنازے میں نظر نہیں آتا، آخراں کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے دین کی نسبت، مرنے والی کا ہر دن اور ہر رات اللہ کے دین کی محبت میں گزرا ہے، پورے شہر کی بچیوں کو اس خاتون نے قرآن پاک



پڑھایا ہے اور کسی سے ایک پیسہ کی روادار نہیں ہوئی، ان کے خاوند کی پوری زندگی آپ کے سامنے ہے اور آج ان کی اولاد بھی اسی راہ پر گامزن ہے اور دین کی اس نسبت کا نظارہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، یہ دینی مدارس دین کے قلعے ہیں ان میں اپنے بچوں کو بھیجتا کہ دین آپ لوگوں کی زندگیوں میں اُجاگر ہو، اس خطاب کے بعد نماز جنازہ بھی حضرت عارف باللہ مولانا مشرف علی تھانوی نے پڑھائی۔ رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آپ کو فقیہ العصر اور اپنے رفیق حیات کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، یہاں بھی کاروں کے قافلے اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم دیدنی تھا، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا خلیل الرحمن انوری کو بہت زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جوتے اتار کر قبر کے دہانے کھڑے ہو گئے اور اپنی نگرانی میں لحد تیار کروائی اور تدفین کے آخری مرحلہ تک وہاں موجود رہے، دارالعلوم عید گاہ کبیر والا کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب بھی لحد پر حاضر ہوئے جبکہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مٹی ڈالنے والوں میں موجود تھے، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے اور سب کا خاتمہ بالخیر ہو، آمین۔

## چودھری الیکٹریک سٹور

مہین بازار شاہ پورانی سرگودھا

ہمارے ہاں سامان بجلی و سلائی مشین بازار سے ہر عایت دستیاب ہے،

نیز الیکٹریشن کی سہولت بھی موجود ہے۔

پروپرائیٹرز: محمد لطیف چودھری فون: 048-6786637

سید عبدالناصر قرندری

## مینارۂ نور

حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے، ہم اس ارشاد گرامی پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن اسے اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش نہیں کرتے، ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسباب بالکل ترک کر دیجئے، لیکن خدا را! انہیں دیگر دینی فرائض پر حاوی نہ ہونے دیجئے کہ ہم اپنا مقصد حیات ہی کھو بیٹھیں اور ہماری نظر مسیّب الاسباب سے ہٹ کر محض اسباب پر ہی اٹکی رہے، ذرا ایک نظر مذکورہ واقعہ پر ڈالئے جس کا ہر حرف انسانیت کیلئے ”مینارۂ نور“ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنی ؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، اثناء گفتگو حضرت عثمان ؓ نے دریافت فرمایا ما تشکى آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو فرمایا ذرہ سی یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے، پھر پوچھا ما تشکى یعنی آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو فرمایا حمة ربی یعنی اپنے رب کی رحمت کا طلبگار ہوں، پھر حضرت عثمان ؓ نے فرمایا الامر لك بطیب کہ میں آپ کیلئے کسی طیب (معالج) کو بلا لوں؟ تو فرمایا المطیب امر ضعی یعنی مجھے طیب نے ہی بیمار کیا ہے۔

پھر حضرت عثمان ؓ نے فرمایا الامر لك بعطاء کہ میں آپ کیلئے بیت المال سے عطیہ بھیج دوں؟ تو فرمایا لا حاجة لى فيه مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ میرے بعد فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی؟ مگر مجھے یہ فکر اس لیے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تائید کر رکھی ہے کہ ہر رات سونے سے پہلے سورۃ واقعہ پڑھا کریں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تَعْبَهُ وَاقِعَةُ ابْنِ جَوْشَنُ ہر رات میں سورۃ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔

(ابن کثیر ص ۲۸۱ ج ۴)



## خوشگوار گھریلو زندگی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو عورت پانچ وقت کی نماز کا اہتمام کرتی ہے، اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرتی ہے، وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے (مسند احمد طبرانی)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں نے جمع ہو کر وفد کی شکل میں ایک عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ ایک بہت اہم مسئلہ معلوم ہو جائے، وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں عورتوں کے وفد کی طرف سے آپ کی خدمت میں آئی ہوں، جہاں جو کہ مرد حضرات کیلئے اللہ نے مشروع کیا ہے اچھا کریں تو ان کو اجر و ثواب مل جاتا ہے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس زندہ شمار کئے جاتے ہیں اور اپنے رب کے پاس سے ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ہم عورتیں جو ان کی ذمہ داریوں کو نبھاتی ہیں اس پر ہمیں کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان عورتوں سے ملو تمہیں شوہر کی اطاعت، ان کی فرمانبرداری، ان کے گھر کی حفاظت کرنے، ان کے ساتھ امانت داری سے پیش آنے پر برابر ثواب ملے گا۔ بیوی کے ذمہ ایک حق یہ ہے کہ وہ شوہر کے بستر کی طرف آنے سے انکار نہ کرے جبکہ وہ اسے اپنے پاس بلائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ اس کے پاس آنے سے انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں (بخاری)

تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف نہیں چڑھتی، ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس پر اس کا شوہر ناراض ہو یہاں تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے (صحیح ابن حبان) اسلام نے عورت کیلئے یہ بات بالکل حرام کر دی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل ہونے کی اجازت دے جس کا آنا شوہر کو نا پسند ہو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان دشمنی پیدا ہوتی ہے اور کئی شہادت اور وہم پیدا ہوتے ہیں، کبھی شوہر بیوی کے بعض رشتہ داروں پر شک کرنے لگتا ہے مثلاً اس کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی پر، آخر کار وہ خود اپنے گھر میں رہنا نہیں چاہے گا یا وہ اپنے یا اپنی بیوی کے رشتہ داروں سے فساد کا اندیشہ کرے گا، لہذا شوہر کا حق ہے کہ ایسے رشتہ داروں کو اپنے گھر آنے سے روکے اور بیوی کیلئے مناسب ہے کہ اس کی بات

مان لے، اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کو روکنا ایک عورت کے نفس پر بہت شاق ہے لیکن کوئی مرد بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے ناپسند عزیز کو اپنے گھر میں اس حالت میں دیکھے کہ اس کا اکرام کیا جا رہا ہو، اس طرح اس کی غیرت اور خضم بھڑک اٹھے گا اور گھر کا سکون تباہ و برباد ہو جائے گا، اس لئے دانشمندوں کا قول ہے کہ ”معتدلہ کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے“۔

ایک صحابی سفر پر جانے لگے تو بیوی نے پوچھا واپسی کب ہوگی؟ فرمانے لگے چند ماہ میں، بیوی نے کہا میرے لائق کوئی حکم ہو تو بتا دیں تاکہ آپ کے بعد میں اس پر عمل کر سکوں، کہنے لگے میرے واپس آنے تک گھر سے باہر نہ نکلتا، یہ کہا اور چلے گئے، بیوی کے والدین کے ہاں سے اطلاع آئی کہ تمہارا باپ سخت بیمار ہے کچھ دیر کیلئے آ جاؤ، بیٹی نے پیغام بھیجا ہا جان! جس کے ساتھ آپ نے میرا نکاح کیا تھا وہ مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع فرما گئے ہیں، جبکہ ہمارے اس معاشرے کا غلط اصول یہ ہے کہ ”گھر والا گھر نہیں ہمیں کوئی ڈر نہیں“ دوبارہ پیغام آیا اب تیرے باپ کی زبان اور کھانا پینا بھی بند ہو چکا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تیرے جانے تک فوت ہو چکا ہو، اس پاک دامن نے کہا اور تو کوئی جگہ اپیل کی نظر نہیں آتی تم دوڑ کر رحمت دو عالم کے پاس جاؤ اور عرض کرنا کہ ایک عورت کا خاوند اسے باہر نکلنے سے منع کر گیا ہے اگر آپ اجازت دیں تو وہ اپنے بیمار باپ کو صرف ایک نظر دیکھ آئے، محسن اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور فرمایا جس عورت کا خاوند اسے باہر نکلنے سے منع کر جائے میں اس کو اجازت نہیں دے سکتا، جب اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سنایا گیا تو کہنے لگی اگر میرا باپ زندہ ہو تو اسے عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سنا دینا ورنہ میرے بھائیوں سے کہنا بہت مجبور تھی، اور اگر ہو سکے تو جنازہ میری گلی سے لے کر گزرنا کہ میں ایک دفعہ اپنے باپ کا چہرہ تو دیکھ سکوں، جنازہ لایا گیا اس عورت نے سسکیاں بھری ہوں گی اور کتنے خلوص سے دعا کی ہوگی کہ اے اللہ! میں نے جو کچھ کیا تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک شریعت پر عمل کرتے ہوئے کیا اب تو بھی میرے باپ کے گناہ معاف کر دے، کیا اللہ نے اس کے گناہ معاف کرنے میں دیر کی ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

اے مسلمان عورتو! دین اسلام ہی ہم سب کی عزت و آبرو اور جان کا محافظ ہے، جو خاص طور پر عورت کا محسن ہے، جو اسے چراغ محفل کی ذلت کی بجائے خاتون خانہ بننے کی عظیم الشان عزت سے نوازتا ہے، جو عورت اس عزت کی ناقدری کرتے ہوئے شرعی پردہ وغیرہ کا اہتمام نہیں کرتی وہ دنیا و آخرت میں خود کو ذلت کی کھائی میں گرا دیتی ہے، صحابیہ کے واقعہ کو دوبارہ پڑھئے اور سوچئے۔



## مولانا قاری جلیل الرحمن صدیقی مرحوم

آپ ہندوستان کے مردم خیز خطہ یوپی کے شہر امروہہ ضلع مراد آباد ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام عبدالرحمن تھا، ابتدائی تعلیم امروہہ میں ہی حاصل کی پھر فارسی کی تعلیم کیلئے جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا یہاں ۵ سال میں فارسی کا نصاب مکمل پڑھ کر سند فراغت حاصل کی اس کے بعد ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند داخل ہوئے اور یہاں کئی سال تک حدیث و تفسیر اور فقہ اور تمام علوم و فنون پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ ساتھ کرام میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد دہلوی، شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب امروہی، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب شامل ہیں۔

آپ نے دیوبند سے فراغت کے بعد تقسیم ہند تک شملہ میں تدریس فرمائی اور تقسیم کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان پہنچے اور پنجاب کے ضلع سرگودھا کو اپنا مستقر بنایا اور تا حیات اسی شہر میں مقیم رہے، محرم الحرام ۱۳۶۷ھ دسمبر ۱۹۴۷ء میں آپ نے یہاں مقام حیات میں مدرسہ مدینہ العلوم کے نام سے ایک دینی ادارہ کا افتتاح فرمایا اور آخر دم تک آپ اس کے مہتمم و مدرس رہے، اور دورہ حدیث تک کتابیں پڑھاتے رہے۔

۵ فروری ۱۹۴۹ء کو کول چوک سرگودھا میں جامع مسجد کا افتتاح حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا، آپ نے اس مسجد کی تقریباً ۴۰ سال تک خدمت کی آپ ایک عرصہ تک ڈسٹرکٹ خطیب بھی رہے اور اس مسجد کے بانی بھی ہیں۔

آپ نہایت مدبر و زیرک اور ایک عظیم عالم دین ہونے کے ساتھ انتہائی عقلمند اور دانشمند انسان تھے بڑے بڑے اہم معاملات کو اپنی خدا داد ذہانت و فراست کی بنیاد پر حل کرنے میں ملکہ تامہ رکھتے تھے، ہزاروں مسلمانوں نے آپ سے دینی علمی استفادہ کیا اور رہنمائی لی، اہل علم اکابر اور اہل دین کے آپ بہت قدر دان تھے، کول چوک میں امامت و خطابت کی پابندی کے ساتھ ضلع بھر کی مساجد کا اہتمام آپ نے بڑی کامیابی سے چلایا امانت و دیانت کا آپ عظیم پیکر تھے، ان تمام تر مصروفیات کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام اور تدریس کی ذمہ داری کو بھی آپ نے ہمیشہ بحسن و خوبی

نبھایا اور آخر تک تد ریس کو اپنا محبوب مشغلہ بنائے رکھا۔

مدرسہ مدینۃ العلوم اوقاف کی عمارت میں تھا لیکن جب جنرل ضیاء الحق مرحوم سرکودھا دورے پر آئے تو آپ کی درخواست پر جنرل صاحب کے حکم سے محکمہ نے یہ عمارت مستقلاً مدرسہ کے نام الاٹ کر دی، آپ نے اس سلسلہ میں تمام تر کارروائی میں بے لوث اور محض دینی جذبہ سے حصہ لیا کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کیا، آپ کی اس قربانی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کے ساتھ ظاہری وجاہت اور رعب سے بھی نوازا تھا آپ کی پروقا علمی شخصیت ہر جگہ روحانی اور جسمانی اعتبار سے سب پر بھاری رہتی تھی اس کے باوجود آپ خالصہ ایک درویش اور متواضع انسان تھے انکساری عاجزی اور خوش اخلاقی آپ پر ختم تھی، ہر چھوٹے بڑے سے نہایت اخلاق سے پیش آتے کسی پر رعب ڈالنے کی انہیں عادت نہ تھی سب سے محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، آپ کی مسلکی اور دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں، دینی ادارہ مدینۃ العلوم اور جامع مسجد کول چوک اور آپ کے ہزاروں تلامذہ آپ کی علمی دینی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں آپ کے فیض یافتہ نہ صرف ملک کے گوشہ گوشہ میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ضلع سرکودھا کی علمی شخصیات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا وفاء اللہ عثمانی، حضرت مولانا الیف اللہ عثمانی، حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب خوشاب، حضرت مفتی احمد سعید، حضرت قاری عبدالسمیع صاحب، جناب حضرت حکیم محمد شریف الدین کرمانی مرحوم، حضرت مولانا عبدالکریم مظاہری، حضرت مولانا مولانا بخش صاحب سے آپ کے خاص اور گہرے مراسم و تعلقات تھے، مدرسہ و مسجد کے سالانہ اجلاس اور جلسوں میں آپ ہمیشہ اکابر علماء کرام اور ملک کی نامور شخصیات کو دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے رئیس و مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور امام اہلسنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنوی، حضرت خطیب اسلام مولانا اختتام الحق تھانوی، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندہلوی جیسی علمی شخصیات اور خطبائے امت کو آپ نے دعوت دی اور ان حضرات نے آپ کی سرپرستی فرماتے ہوئے سرکودھا کی سرزمین کو اپنی آمد سے شرف فرمایا۔

لیکن آپ کو اپنے معاصرین علماء کرام میں سب سے زیادہ تعلق فقہ العصر یا دیگر اسلاف



حضرت اقدس مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ سے تھا، ان کے والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم گمٹھلوی قدس سرہ سے بھی آپ خوب واقف تھے اس لئے مدرسہ و مسجد کے ہر معاملہ میں آپ ان سے مشورہ فرماتے اور اکثر ان کی صائب رائے پر ہی عمل کرتے تھے۔ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص متوسل حضرت حکیم محمد شریف الدین کرمانی اور حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ اور آپ میں باہم خوب تعلق تھا تینوں حضرات نے اپنے مدارس کی جب رجسٹریشن کرائی تو اس کے قواعد و ضوابط آپ نے ہی تحریر فرمائے تھے آپ آخر تک جامعہ حنفیہ اور مدرسہ حسینہ حنفیہ سلاوالی کی شوری کے اہم رکن رہے اسی طرح حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی بھی آپ کی آخر حیات تک مدرسہ کے رکن رہے اور آپ کی وفات کے بعد مدرسہ کے صدر و مہتمم قرار پائے۔

حضرت قاری جلیل الرحمن صاحب علم دوست آدمی تھے مدارس اور علماء کرام سے انہیں خاص محبت تھی حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی کے وسیع و عمیق علم اور زہد و اتقا اور آپ کے تفقہ کے ساتھ تدبیر و فراست اور ذہانت و اصابت رائے کے زیر دست مداح تھے اور ان کی علمی خدمات تصنیف و تحریر اور تدریس میں مہارت کے بطور خاص معترف تھے اس لئے آپ مسجد و مدرسہ اور علماء دیوبند کی مسلکی ترجہانی میں ان پر حد درجہ اعتماد فرماتے اور خود بھی ہر طرح سے ان کا بھرپور تعاون فرماتے تھے۔

افسوس کہ ۲۹ اگست ۱۹۸۵ء ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ بروز جمعرات ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، جنازہ میں بے پناہ ہجوم تھا حضرت مفتی احمد سعید صاحبؒ نے آپ کا جنازہ پڑھایا، نماز جنازہ عید گاہ میں ادا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی دینی خدمات کو قبول فرما کر ان کے فیض کو تاقیامت جاری رکھیں آمین۔ بلاشبہ آپ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پسماندگان میں آپ نے بیوہ ایک دختر اور پانچ صاحبزادے چھوڑے جن میں قاری ذیشان الرحمن مدرسہ میں مدرس اور بڑے صاحبزادے قاری عتیق الرحمن ناظم مدرسہ ہیں جبکہ اہلیہ محترمہ طالبات کو دینی تعلیم دے رہی ہیں۔

۲۳ صفر المنظر ۱۴۲۷ھ

امداد المسائل فی الاحکام والمسائل

فقہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رزوی

## الاستفتاء

نا دار بھتیجے، بھتیجیوں پر صدقات واجبہ صرف کرنا

احقر کے یتیم بھتیجے بھتیجیاں بے حد مفلس، غریب، نا دار ہیں کیا بہت تنگدست ہونے کی صورت میں وہ صدقات واجبہ عشر، فطرانہ، زکوٰۃ وغیرہ شرعاً کھا سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ سب نابالغ ہونے کے سبب کوئی ظاہری ذریعہ معاش بھی حاصل نہیں کر سکتے؟ بینکرو تو جروا

الجواب

صدقات واجبہ مثل عشر و زکوٰۃ وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ اپنے اصول و فروع اور زوجین کے علاوہ سب قراہت والوں کو ان کا دے دینا جائز ہے اگر وہ حقدار ہوں غنی نہ ہوں، اگر آپ کے بھتیجے وغیرہ غریب ہیں تو ان کو صدقات واجبہ آپ اگر دیں تو وہ ہر ثواب ہوگا کیونکہ اس میں قراہت کا لحاظ اور صلہ رحمی بھی ہے، البتہ نابالغ کو زکوٰۃ وغیرہ دینے میں اس امر کا لحاظ رکھا جاوے کہ وہ خود بھی غریب ہو اور اس کا والد بھی غنی نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب ۳۰ رذوالحجہ ۸۰ھ

طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کرانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

ایک شخص دھمکی دے کر رضامندی کے بغیر طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کروا لیتا ہے اور اس سے یہ نہیں کہلوا یا گیا کہ تم نے طلاق دے دی۔

الجواب

صورت مسئلہ میں اگر زبردستی طلاق نامہ پر دستخط کرائے گئے ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر زبان سے لفظ طلاق کہہ دیے ہوں اگرچہ زبردستی کہلوائے گئے ہوں تو طلاق پڑ جائے گی کیونکہ زبردستی کی صورت میں زبانی طلاق پڑ جاتی ہے مگر زبردستی تحریر کرانے سے طلاق نہیں پڑتی۔

وفی البحر ان الممراد الاکراه علی التلفظ بالطلاق فلا اکراه علی ان یکتب طلاق امر آثم فکتب لا تطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا کذا فی الخاتمة (شامی ص ۳۳۲ ج ۲) واللہ اعلم۔

۱۹ محرم الحرام ۸۱ھ



سید عبدالناصر ترندی

## اخبار الجامعہ

۲۷ ربیع الثانی: صدر جامعہ کو جرنوالہ تشریف لے گئے، مفتی محمد اویس صاحب کے مدرسہ دارالعلوم کو جرنوالہ میں طلباء سے بیان فرمایا، بعد ازاں مفتی غفران اللہ کی دعوت پر مدرسہ انوریہ تشریف لے گئے وہاں مختصر سے قیام کے بعد مولانا ایوب صفدر صاحب کے مدرسہ فیضان سرفراز میں تشریف لے گئے اور وہاں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا، مختصر نشست کے بعد مولوی زکریا زکی کی دعوت پر وڈالہ سندھواں تشریف لے گئے، وہاں قیام کے بعد پھر کو جرنوالہ کھیلی چوک جامع مسجد الاعزاز میں بعد نماز عصر اختتامی بیان فرمایا، بیان کے بعد واپڈا ٹاؤن مرکزی مسجد میں نماز مغرب ادا کی، بعد ازاں کنگڑی والا جامعہ مسجد اعزاز صفدریہ میں افتتاحی بیان فرمایا۔

۲۸ ربیع الثانی تا یکم جمادی الاولیٰ جامعہ میں درجہ کتب کے طلبہ کا تحریری اور ۲۲ جمادی الاولیٰ کو تحریری امتحان ہوا۔

۳۱ جمادی الاولیٰ کو جامعہ کی شاخ مدرسہ صدیقہ بقیہ للہنات میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے والی ایک بچی کو صدر جامعہ نے آخری سبق پڑھایا اور مختصر بیان کے بعد دعا کرائی۔

۱۲ جمادی الاولیٰ: مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عبدالغفار صاحب تونسوی تین روز کیلئے جامعہ میں تشریف لائے اور درجہ کتب و تخصّص کے طلبہ کو درافتحیت سے متعلق اسباق پڑھائے۔  
۱۴ جمادی الاولیٰ: عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم تین روز کیلئے جامعہ میں تشریف لائے اور متعدد عمومی و خصوصی مجالس میں خطاب فرمایا۔

۲۲ جمادی الاولیٰ: ایک پروقار تقریب میں درجہ کتب کے ششماہی امتحان کا نتیجہ سنایا گیا اور صدر جامعہ نے اول دوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ میں کتب تقسیم فرمائیں۔

۲۳ جمادی الاولیٰ کو صدر جامعہ کی والدہ محترمہ قریباً ۸۰ سال طویل علالت کے بعد بقضاء الہی رحلت فرما گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون، نماز جنازہ عارف باللہ مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے پڑھائی، نماز جنازہ میں عوام الناس کے علاوہ علماء و طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔

## تعارف و تبصرہ

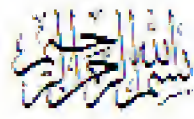
نام کتاب: ایک مجلس کی تین طلاق کا شرعی حکم مرتبہ: حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی  
ناشر: ادارہ اشرف البیان جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا۔ صفحات: ۲۴

ملت اسلامیہ کے انحلال کے حالیہ پر آشوب دور میں جبکہ امت مسلمہ کی بچکولے کھاتی اور ڈولتی ہوئی ناؤ ساحل مراد تک پہنچنے کیلئے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے اور قلم کا فتنہ اور جثا کو چھو رہا ہے بے دین و خواہش پرست لوگ شریعت اسلام، کتاب و سنت اور فقہاء و محدثین پر شب خون مارنے کی ننگ و دو میں اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لائے ہوئے ہیں، ان نازک حالات میں اہل حق کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ باطل قوتوں اور شیطانی طاقتوں کا خوب ایمان کے سہارے مقابلہ کریں تاکہ اسلام اپنی آب و تاب کے ساتھ چمکتا و مکتا رہے اور کسی شخص کو شریعت کی سرحدوں میں نقب لگانے کی جرأت و ہمت نہ ہو۔

تو جہاں بہت سے باطل فرقوں اور فتنوں نے دین اسلام کی بنیاد و اساس کو نقب لگانے کی ناکام کوششیں کیں وہیں پر غیر مقلدین نے بھی قرآن وحدیث کا نام لے کر فتنہ برپا کیا اور اسلام کو ٹھیس پہنچائی اور بہت سے مسائل میں تحریفات و تاویلات کا ایک نیا باب کھول کر جمہور علماء کی مخالفت کی، ان میں سے ایک مسئلہ ایک مجلس کی تین طلاق کا بھی ہے جسے نام نہاد اہلحدیث شد و بد کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہیں تین نہیں جو کہ غلط محض اور بے بنیاد ہے۔

زیر نظر کتاب محترم و مکرم استاذ ایم مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم کی تالیف ہے جس میں آپ نے یہ مسئلہ آفتاب نمرود کی طرح واضح فرمایا کہ تین طلاق تین ہی ہیں، اور اس مسئلہ کو قرآنی آیات، احادیث شریفہ، اقوال صحابہ اور فقہاء امت کے مذاہب سے ثابت فرمایا، اس کے مخالف دلائل و بعولتہن احق بردھن، حدیث رکانہ، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نہایت احسن انداز میں محققانہ رد فرماتے ہوئے حلالہ شرعیہ کے جواز کو بھی ثابت فرمایا ہے، علاوہ ازیں کتاب نہایت مختصر مگر جامع اور پر مغز ہے، کلام میں شائستگی اور سنجیدگی چمکتی نظر آتی ہے، کتاب کی طباعت اور کتابت عمدہ ہونے کے ساتھ ساتھ سرورق کو بھی خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا ہے۔ (عابد محمود حقانی)





## فراق و ہجر کی گھڑیاں

وہ جس کا ذکر مرے شعر میں ہے عام فہم مری زبان و قلم کا اسے سلام فہم

خدا بلند کرے اور اس کا نام فہم کہ جس کا نقش قدم ہے مہ تمام فہم

یہ نکتہ درس گہ عشق میں ہے عام فہم زباں کے بس میں نہیں آنسوؤں کا کام فہم

فراق و ہجر کی گھڑیاں ہوں یوں تمام فہم حرم کی صبح ہو اور زندگی کی شام فہم

یہ واقعہ ہے انہی کا نصیب ٹھہری ہیں وہ رفعتیں جنہیں بخشا گیا دوام فہم

خدا کرے یونہی بڑھتا رہے قیامت تک یہ اُن کے چاہنے والوں کا ازدھام فہم

خدا جو پوچھے ”کوئی اور بخشوانا ہے؟“

حضور حشر میں کہہ دیں ”مرا غلام فہم“